

آئینے توڑ دو

حمیدہ جبیں

بار اوّل ——— جون ۱۹۷۶ء

تعداد ——— ۵۰۰

طباعت ——— اعلیٰ پریس دہلی ۶

ناشر ——— ادبی دُنیا۔ اُردو بازار۔ دہلی ۶

قیمت ——— بارہ روپے ۱۲/-

آئینے توڑ دو

حمیدہ جبیں

:- ناشر :-

ادبی دُنیا۔ اُردو بازار۔ دہلی ۱۱۰۰۰۶

انتساب

—— معاشرے کے ان بے حس انسانوں کے نام

—— جن کے ہاتھوں میں پیسہ اور کاندھوں پر

انسانیت کا لاشہ ہے۔

حمیدہ جبیں

دیکھا ہے زندگی کو کچھ اتنے قریب سے
چہرے تمام لگنے لگے ہیں عجیب سے
ساحر

اسپتال کے سفید و شفاف بستر پر پڑی میڈم نوری نے آئینہ اٹھایا۔
آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر ایک زہر آلودی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی۔
یہ آئینہ ———
تین سال پہلے اس کا ساتھی تھا———
اس کا دوست تھا ———
اسے کہا کرتا ———
میڈم! تم بہت خوبصورت ہو ——— تمہارے چہرے میں گلاب کے پھولوں کا رنگ گھلا ہوا ہے۔
تمہاری لانبی لانبی آنکھوں میں نشہ ہے۔
تمہارے ہونٹوں پر شبنم کی سی تازگی ہے۔
تمہارے بال ملائم اور سیاہ ہیں۔

اور پھر ______
ایک سال گزر گیا۔
آئینہ تب بھی اس کے ساتھ تھا۔
مگر اب وہ کچھ سوگوار تھا ______
کچھ خوفزدہ تھا ______ کچھ پریشان تھا ______
کہنے لگا ______
دیکھا تم نے ______ تمہارے بالوں میں چاندی کے تار ہیں۔
تمہاری آنکھوں میں خوف ہے۔
اور تمہارے ہونٹ سیاہ پڑتے جا رہے ہیں ______
گلاب کی سی رنگت پر جھریاں نمودار ہو رہی ہیں۔
کچھ سوچا تم نے ______
اور پھر میڈم نوری کی سنگھار میز طرح طرح کے جدید سامان سے بھر گئی۔
آئینہ مسکرا دیا۔
میڈم نوری نے بالوں کے سفید تار سیاہ رنگ میں چھپا لئے۔
چہرے کی جھریاں میک اپ کی تہہ میں دب گئیں۔ اور ہونٹوں پر لپ اسٹک سے تازگی رہنے لگی۔
لیکن آنکھیں خوفزدہ ہی رہیں۔
اور پھر ______
تیسرے سال ______
اب ______
وہ پھر آئینہ دیکھ رہی تھی۔

بالوں میں سفید لٹ ــــــــ
چہرے پر جھریاں ــــــــ
سیاہ ہونٹ ــــــــ
اور آنکھوں کے گرد کالے کالے حلقے۔
یہ میڈم نوری تھی ــــــــ
جو چند سال پہلے ملک کی نامور ایکٹریس تھی جس کی فلمیں دیکھنے کے لئے
لوگوں کو کئی کئی دن بعد بھی بلیک میں ٹکٹ خریدنے پڑتے ــــــــ
اور جس کی تعریفوں سے ملک کے اخبارات اور رسالے بھرے رہتے۔
جو فلم انڈسٹری کی جان سمجھی جاتی تھی۔
آج ــــــــ
فلم انڈسٹری کی جان اسپتال کے پلنگ پر تنہا پڑی تھی۔
اسپتال آئے اسے کئی روز ہوگئے تھے۔
مگر اسے کوئی دیکھنے نہ آیا ــــــــ
اسے یاد آیا کہ کچھ عرصہ پہلے جب وہ بہت بڑی ہیروئین تھی۔
تب اسے معمولی سا زکام ہوا تھا۔
اور اس کی کوٹھی میں لوگ ہی لوگ تھے ــــ کوئی ڈاکٹر کو بلا رہا تھا ــــ کوئی
دوائیں منگوا رہا تھا ــــ اور کوئی اس کے لئے خود سوپ تیار کر رہا تھا ــــ
مگر آج ــــــــ
صرف یادوں کا دھواں تھا ــــــــ
اور وہ اکیلی ــــــــ
پندرہ دن بعد اس کا آپریشن ہونے والا تھا۔

ڈاکٹروں نے بتایا تھا کہ اُس کا دایاں پھیپھڑا بیکار ہو چکا ہے۔
نرس نے آکر اس کے خیالوں کا سلسلہ بکھیر دیا۔
میڈم ــــــــ!
نرس کی آنکھوں میں حسرت تھی۔
میڈم نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔
میڈم ہمارے اسپتال کی کچھ نرسیں آپ کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ باہر کھڑی ہیں۔
بلالاؤں۔
کیا کریں گی مجھے دیکھ کر ــــــــ
میڈم نے ٹھنڈا سانس لیا ــــــــ
بس جی ــــ کہتی ہیں کہ آپ سے ملنے کا انہیں بہت شوق ہے۔
نرس بولی ــــــــ
بلا لو ــــــــ
نرس باہر نکل گئی ــــ اور اگلے ہی لمحے کچھ لڑکیاں اس کے ساتھ آگئیں۔
آئیے ــــــ بیٹھئے ــــــ
میڈم خوش دلی سے بولی ــــــــ
لڑکیاں جھجک رہی تھیں اور میڈم کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔
دل میں کہیں خوشی کی میٹھی سی چبھن ہوئی۔
میں اب بھی کم نہیں ہوں۔
مجھ سے ملنے کے لئے یہ لڑکیاں کتنی بے تاب نظر آتی ہیں۔
مجھے دیکھنے کی حسرت ان کی آنکھوں میں تڑپ رہی ہے۔
میں میڈم نور جہاں ہوں ــــــ میں کچھ ہوں ــــــ

یہ ابھی میری تعریف میں زمین آسمان ایک کر دیں گی۔

بیٹھیے ـــــــ

وہ مسکرا کر بولی ـــــــ

لڑکیاں کھڑی رہیں ـــــــ

آپ میڈم نوری ہیں ـــــــ

ایک لڑکی حیرت سے بولی ـــــــ

آپ کو کوئی شک ہے ـــــــ

وہ مسکرا کر بولی ـــــــ

ہائے سچی بالکل نہیں لگتا کہ آپ وہی ہیں۔

لڑکی نے سچ اگل دیا۔

میڈم کے دل کی میٹھی چبھن ٹیس سی بن گئی مگر ابھی اسے امید تھی کہ دوسری لڑکیاں وہی کچھ کہیں گی جو اس نے سوچا تھا۔

آپ کی فلمیں ہم بڑے شوق سے دیکھتے ہیں۔

دوسری لڑکی بولی۔

اچھا ـــــــ

میڈم کو کچھ حوصلہ ہوا۔

آپ جیسی ایکٹنگ ابھی تک کوئی نہیں کر سکی۔

سچی۔ آپ تک تو یہ نئی لڑکیاں ساری عمر نہیں پہنچ سکتیں۔

وہی لڑکی بولی ـــــــ

شکریہ ـــــــ

میڈم کا چہرہ سرخ ہو گیا ـــــ بہت عرصے کے بعد تعریف سنی تھی نا ـــــــ

میں کہتی ہوں۔ آپ انڈسٹری کو چھوڑیں نا ———

لڑکی بولی ———

کیوں ———

میڈم نے پوچھا۔

فلم انڈسٹری کی آپ کو بہت ضرورت ہے۔

میڈم کے اندر جو ہیروئین بیٹھی تھی وہ جیسے اچھل کر باہر آگئی۔

اس نے لڑکی کو بڑے پیار سے دیکھا۔

کہنے لگی ———

نہیں نہیں اب تو میں بوڑھی ہوگئی ہوں۔

میرا مطلب بھی یہی تھا ———

کیا ———؟

میڈم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

میرا مطلب ہے کوئی ماں وغیرہ کا کردار تو آپ کو مل ہی جائے گا ——— آپ بوڑھی عورت کا کردار کریں نا ——— سچی بڑا مزہ آئے گا آپ کا یہ روپ دیکھ کر۔

لڑکی بول رہی تھی ———

اور میڈم کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ اس سے آگے اس نے کچھ نہیں سُنا ———

لڑکیاں بول بول کر چلی گئیں ———

مگر وہ خاموش تھی ———

لڑکی بھی اسے بتا گئی تھی ———

کہ وہ کیا بن گئی ہے ———

اب تو اسے یقین آنے لگا تھا ـــــــ
آئینہ سچ کہتا ہے ـــــــ
لڑکیاں سچ کہتی ہیں ـــــــ
میں بوڑھی ہو گئی ہوں ـــــــ
اس نے تکیہ میں چہرہ چھپا لیا ـــــــ

ہر انسان کی زندگی میں یادوں کا ایک لا متناہی سلسلہ ہوتا ہے اور یہ سلسلہ کبھی کبھی اتنا طول کھینچتا ہے کہ مختلف یادیں ایک زنجیر کی طرح ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک مستقل صورت اختیار کر لیتی ہیں تب زندگی کا ایک بھرپور تصور نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔

آج کل میڈم نوری بھی ماضی میں ڈوبی رہتی۔
کبھی کچھ تلاش کرتی ـــــــ
کبھی کچھ گم کرنے کی کوشش کرتی۔
اسپتال کے اس تنہا اور دور دراز اس کمرے میں لیٹے ہوئے اسے خیال آتا۔
وہ سوچتی۔ حساب کرتی۔
اس زندگی کا جو اس نے گذار دی ہے ـــــــ کیا کھویا اور کیا پایا۔

سوچ سوچ کر نتیجہ یہی نکلتا ـــــــــــ

جو کچھ بھی پایا کم ہے ـــــــــ

اور جو کھو چکی ہوں ـــــــ وہ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی سب کچھ تھا۔

یادوں سے پیچھا بھی تو نہیں چھڑایا جا سکتا تھا۔

ان کی حقیقت تو اس آئینے کی طرح ہے جس میں اپنی شکل دیکھنے کے بعد نہ جانے کیسے کیسے خیال، ذہن میں سر ابھارتے ہیں ـــــ ضرر کرتے ہیں ـــــ

یادیں ہوں یا آئینے ـــــــ

دونوں ہی حقیقت ہیں ـــــــ

زندگی کا کینوا س بھی کچھ ایسا ہے کہ اس پر مختلف تصویریں مختلف اوقات میں مختلف رنگ و آہنگ کے ساتھ ابھرتی ہیں ـــــ مٹتی ہیں ـــــ پھر ابھرتی ہیں پھر مٹتی ہیں۔

اور یہ ابھرنے مٹنے کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہتا ہے جب تک زندگی کے کینواس میں ذرا سی بھی سفیدی باقی رہتی ہے۔

سیاہی آئی ـــــــ

یادیں ـــــ آئینے ـــــ تصویریں سب خاموش ـــــــ

کینواس پر لاکھ برش مارو ـــــ رنگ پھیرو لیکن کوئی تصویر واضح طور پر ابھرتی ہی نہیں اور سفید رنگوں سے لکیریں کھینچ کر سفید تصویر کون بنائے۔

اگر ایسا ہوتا ـــــــ

تو ابلیس آدم کے پیکر کو سجدہ ہی نا کر لیتا ـــــــــ

انسان جنت میں ہی نا رہتا ـــــــ

دنیا میں آتا ہی کیوں ـــــــ

میڈم نوری کی زندگی بھی اب سیاہ کینوس میں تبدیل ہو چکی تھی ۔
اور اب تو اس کی خواہش بھی نہیں تھی کہ سفید دودھ جیسی تصویر بنائے ۔
لیکن پھر بھی ——
اس کی زندگی میں یادوں کی اپنی ایک واضح حقیقت تھی ۔

یادیں ——
اس کی زندگی کے مختلف شیڈز
مختلف تصویریں ——
مختلف آئینے ——

اور یہ سب کچھ اس کی زندگی کے حادثات تھے ۔ ان حادثات نے اس کی زندگی کی ایک ایسی تصویر پیش کی تھی جسے دیکھنے کے بعد کسی کو بھی اس سے ہمدردی نہ ہوتی تھی ۔

وہ جذبہ ہی پیدا نہ ہوتا تھا —— جسے لوگ ہمدردی کہتے ہیں ۔
پتہ نہیں کیوں ——
شاید اس لئے کہ لوگوں کی نظروں میں اس نے خود ہی اپنے آپ کو گرایا تھا ۔
شاید اس لئے کہ ——
اس نے چمک دمک کو پسند کیا تھا ——
اس نے دولت کی تمنا کی تھی ۔
ایک پیار بھرا دل توڑا تھا ۔
شاید اس لئے کہ ——
وہ طوائف تھی ——
وہ ایکٹرس تھی ——

وہ بے وفا تھی ــــــــــ
وہ مطلب پرست تھی۔
وہ عیش و عشرت کی دلدادہ تھی۔
شاید ــــــــــ
نرس نے دوا اس کے منہ سے لگا دی ــــــــــ
اور اس کے خیالوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا ــــــــــ
کیا بجا ہے ــــــــــ
اس نے نرس سے پوچھا ــــــــــ
تین بجے ہیں ــــــــــ
نرس نے گھڑی دیکھی ــــــــــ
اوہ ــــــ ابھی دن باقی ہے ــــــ
آپ کو کوئی صاحب ملنے آئے ہیں ــــــــــ
بیرا اندر آکر بولا ــــــــــ
مجھے ــــــــــ؟
میڈم حیرت سے بولی ــــــــــ
جی ہاں ــــــــــ
بلا لو ــــــــــ
میڈم کے چہرے پر کرب ہی کرب تھا۔ ــــــــــ
اگلے ہی لمحے بیرے کے ساتھ ایک لمبے قد کا سمارٹ سا آدمی اندر آیا ــــ
آداب ــــــــــ
اس نے جھک کر کہا ــــــــــ

میں نے پہچانا نہیں ــــــــــ

میڈم اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی ــــــــــ

مجھے زلفی کہتے ہیں ــــــ اور میں روزنامہ آئینہ کا ایڈیٹر ہوں ــــــ

تشریف رکھیئے ــــــ

میڈم اٹھ کر بیٹھ گئی ــــــــــ

کیسے مزاج ہیں آپ کے ــــــ

زلفی سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

زندگی کے دن پورے نہیں ہوئے ابھی ــــــــــ

میڈم دکھ سے بولی ــــــــــ

اوہ ــــــــــ

کیسے زحمت کی ــــــ

میڈم ہمدردی کے بول سننا نہیں چاہتی تھی اس لئے جلدی سے بولی ـ ـ ـ

میں یہاں اسپتال میں کسی عزیز کی عیادت کے لئے آیا تھا۔ پتہ چلا یہاں آپ زیرِ علاج ہیں۔

آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں ــــــ تین سال پہلے میں نے آپ کا انٹرویو چھاپا تھا ــــــ

یاد نہیں ــــــ

میڈم آہستہ سے بولی ــــــ

ہاں تو میں نے سوچا کہ آپ کی طبیعت بھی پوچھ لوں اور اخبار کے لئے آپ کا بھی انٹرویو بنا لوں ــــــ

اب اسے کوئی نہیں پڑھے گا ــــــ

میڈم ہنسی ـــــــ
ایسی بات نہیں میڈم ـــــــ
زلفی ہنس کر بولا ـــــــ
اچھا ہوا آپ آ گئے ـــــــ میں خود ہی ان دنوں ایک خبر دینے والی تھی۔
میڈم بولی ـــــــ
حکم ـــــــ
زلفی نے کہا ـــــــ
میں اپنی سوانح حیات لکھنا چاہتی ہوں۔ دو ایک روز میں شروع کردوں گی۔
میڈم نے تکیئے کے نیچے سے سگریٹ اور ماچس نکالی۔
بہت خوب ـــــــ
زلفی اس خبر کو سن کر اچھل پڑا ـــــــ
آپ یہ خبر اخبار میں شائع کر دیں ـــــــ
میڈم سگریٹ سلگا کر بولی۔
ضرور ضرور ـــــــ مگر میڈم آپ کی اس خبر کے ساتھ ایک عجیب سا سوال میرے ذہن میں آیا ہے ـــــــ معذرت کے ساتھ پوچھوں گا ـــــــ
زلفی مسکرا کر بولا ـــــــ
میڈم نے سوالیہ سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔
یہ سوانح حیات جو آپ لکھیں گی ـــــــ سچے واقعات پر مبنی ہوگی یا کہیں پردہ پوشی بھی کی جائے گی۔
زلفی نے مسکرا کر سوال کیا ـــــــ
میڈم نے ایک لمحہ کے لئے زلفی کی طرف دیکھا۔ پھر سگریٹ ہونٹوں سے لگا لیا۔

کچھ لمحے یوں ہی خاموشی خاموش سے بیت گئے۔
میڈم نے زلفی کی طرف دیکھا۔ کہنے لگی۔
یہ سوانح حیات میں نہایت ایمانداری سے لکھوں گی۔ بالکل سچے اور صحیح واقعات۔ میں کون تھی۔ کہاں گئی ——— کن کن لوگوں سے میرے مراسم رہے ——— کن کن لوگوں نے مجھے کھلونا بنایا۔ کہاں کہاں میں بلیک میل کی گئی ——— کہاں میں خریدی گئی ——— کہاں میں نے لوگوں کو خریدا ——— میرے ساتھ کیا ہوا ——— کیوں ہوا ——— میں نے کیا کیا ——— یہ سب کچھ ہوگا اس میں ———
زلفی کو اپنے اخبار کی مانگ بڑھتی دکھائی دے رہی تھی۔ پہلو بدل کر بولا۔
ایک عجیب سا سوال اور ہے۔
سارے عجیب سوال کر ڈالئے۔ معذرت کی ضرورت نہیں۔
میڈم سنجیدگی سے بولی ———
آپ نے فرمایا کہ آپ سوانح حیات میں بالکل سچے اور صحیح حالات تحریر کریں گی کیا اس سوانح حیات میں ان لوگوں کے صحیح نام ہوں گے یا فرضی۔ جن کے حالات آپ لکھیں گی ———
بالکل صحیح نام ———
میڈم سنجیدگی سے بولی ———
کیا خیال ہے۔ اس سلسلے میں آپ احتیاط نہیں برتیں گی۔
زلفی مسکرا کر بولا ———
بالکل نہیں ——— بے شک وہ لوگ آج بھی اس دنیا میں موجود ہیں۔ لیکن میں اب اس اسٹیج پر ہوں کہ مجھے نہ زندگی کی تمنا ہے۔ نہ موت کا ڈر ——— اور نہ ہی میں کسی قانونی چارہ جوئی سے خوفزدہ ہوں ——— جو کچھ بھی ہوا ——— وہ

میں بالکل صحیح تحریر کروں گی ——

یہ سوانح حیات کب تک مکمل ہو جائے گی۔

زلفی بولا ——

آج سے پندرہ روز بعد میرا آپریشن ہے اور اسی دن یہ سوانح حیات مکمل ہو جائے گی۔

میڈم نے دوسرا سگریٹ سلگایا۔

کیا میں اس سوانح حیات کو چھاپنے کا فخر حاصل کر سکتا ہوں۔

زلفی مطلب کی بات پر آگیا۔

ضرور —— مگر اس کی رائلٹی طے کر لیجئے۔

میڈم بولی۔

میں ہر ایڈیشن پہ دس ہزار روپے پیش کر سکتا ہوں۔

زلفی نے کہا ——

کم ہیں ——

میڈم آہستہ سے بولی ——

آپ حکم دیجئے پھر ——

بیس ہزار روپے ہر ایڈیشن پہ دینے ہوں گے آپ کو۔ میڈم بولی۔

زلفی خاموش ہو گیا۔ لیکن وہ اس پر بھی راضی تھا۔ میڈم کی سوانح حیات اسے لاکھوں روپے کا مالک بنا سکتی تھی ——

یہ رائلٹی میں ایک ایسے شخص کے نام کرنا چاہتی ہوں۔ جس کے لئے میں نے آج تک کچھ نہیں کیا —— جس کے لئے میں بہت کچھ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن کچھ بھی نہ کر سکی۔

میڈم کے چہرے پر دکھ کا سایہ سا لہرایا ــــــــ

وہ کون شخص ہے ــــ نام پوچھ سکتا ہوں۔

زلفی نے پوچھا ــــــ

ابھی نہیں ــــ جس دن میں سوانح حیات آپ کے حوالے کر دوں گی۔ اس شخص کا نام بھی آپ کو بتا دوں گی۔

بہت بہتر ــــــ

زلفی بولا ــــــ

میں آج سے پندرہ روز بعد حاضر ہوں گا۔

زلفی اٹھ کر بولا ــــــ

اس کی پبلسٹی کو اجازت ہے ــــــ

میڈم نے کہا ــــــ

شکریہ ــــ میں کل سے ہی پبلسٹی شروع کر دوں گا اور ملک کے سارے اخباروں۔ پرچوں۔ ٹیلیویژن۔ سنیما۔ ریڈیو اور پوسٹروں کے ذریعہ سے یہ خبر پھیلا دوں گا ــــــ

ٹھیک ہے ــــــ

میڈم بولی ــــــ

مگر یہ سوانح حیات میں ہی چھاپوں گا میڈم۔ ہو سکتا ہے یہ خبر سن کر کئی لوگ اسے چھاپنے کی خواہش ظاہر کریں۔

زلفی بات پکی کرنا چاہتا تھا۔

میں نے وعدہ آپ سے کیا ہے۔

میڈم بولی۔

شکریہ ـــــ تو خدا حافظ ـــــ زلفی باہر نکل گیا اور میڈم نے اپنے آپ کو ڈھونڈنا شروع کر دیا۔

ملک کی مایہ ناز ایکٹریس میڈم نوری کی سوانح حیات۔
میڈم نوری اپنی سوانح حیات لکھ رہی ہیں۔
میڈم نوری کی سوانح حیات کئی لوگوں کے لئے آئینہ ہوگی۔
میڈم نوری صحیح اور سچے واقعات لکھ کر کئی چہروں سے نقاب اٹھائیں گی۔
میڈم نوری کی سوانح حیات ـــــــــــ
کن کن لوگوں سے اس کے تعلقات تھے۔
ان لوگوں کے اصل نام ـــــ
میڈم نوری کی سوانح حیات۔
بڑے بڑے اہم راز سامنے آئیں گے۔
دوسری صبح اخبارات میں بڑی سرخی انہیں الفاظ سے تھی۔
اور اخبار دھڑا دھڑ بک رہے تھے۔
ہر ایک نے یہ خبر چونک کر پڑھی ـــــــــــ
لیکن کچھ لوگوں کے لئے تو یہ خبر بجلی بن گئی۔

صبح کا وقت تھا ——

ناشتے کے بعد یہ اخبار مشہور زمانہ سنگر ——

رضا حسن کے سامنے پہنچا ——

رضا حسن —— اس وقت چوٹی کا فنکار تھا ——

کئی بنگلوں کا مالک —— دو دو کاریں —— سارے ملک میں

عزت و وقار —— اور ساتھ ساتھ شہرت ——

بڑی بڑی محفلیں اس کے دم سے آباد تھیں ——

یہ خبر پڑھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے

اسی وقت ——

فلم کا ایک پروڈیوسر اندر آ گیا ——

خبر دیکھی رضا صاحب۔

فلم پروڈیوسر جس کا نام سلیم تھا بولا۔

ہاں ——

رضا حسن کچھ پریشان تھا۔

میڈم سٹھیا گئی ہے

سلیم ہنسا ——

ہاں —— مگر —— وہ ٹھیک نہیں کر رہی ——

رضا حسن بولا

یہ تو اللہ ہی جانے کہ ٹھیک کر رہی ہے یا غلط —— بہرحال آج کی اہم خبر یہ ہے —— ہر جگہ اسی خبر کا چرچا ہے۔ جانے کون کون لوگ ہیں جو منہ چھپاتے پھر رہے ہیں۔

سلیم بولا ـــــــ

ہاں ـــــ واقعی ـــــ وہ لوگ تو پریشان ہوں گے۔

رضا حسن کھویا کھویا سا تھا ـــــ

مگر رضا صاحب ـــــ میڈم پر بہت سارے مقدمے بنیں گے لوگوں کے صحیح نام استعمال کرے گی تو لوگ چپ رہیں گے کیا۔

رضا حسن خاموش بیٹھا تھا ـــــ

ویسے میڈم کے ملنے والے بہت بڑے بڑے لوگ ہیں۔

ان کو چین نہیں ہوگا آج ـــــ

ہاں ـــــ

رضا حسن کے سامنے میڈم کے ساتھ گذرا ہوا زمانہ فلم کی مانند گھوم رہا تھا۔

اسی وقت ایک اخباری نمائندہ مع فوٹوگرافر کے اندر آگیا ـــــ

میں آج انٹرویو نہیں دے سکوں گا ریاض صاحب۔

رضا حسن جو سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اسے دیکھ کر چونکا ـــــ

مگر صاحب میں نے تو پہلے آپ سے اپائنٹمنٹ لی تھی۔

مگر ـــــ آج میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔

بس چند باتیں ہوں گی رضا صاحب ـــــ میں اگلی پرچوں میں پبلسٹی کر چکا ہوں اور لوگ انتظار میں ہیں۔

ریاض نوٹ بک کھول کر سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

مگر ریاض صاحب۔

رضا حسن نے اپنے ماتھے سے پسینہ پونچھ کر کہا۔

آپ دو تین تصویریں بنا لیجئے۔

ریاض نے فوٹوگرافر سے کہا۔
فوٹوگرافر تصویریں بنانے لگا اور ریاض نے مسکرا کر رضا حسن کی طرف دیکھا۔
بس چند سوال کیجئے گا۔
رضا حسن نے کہا ——
جی بالکل باقی تو مجھے سب ہی علم ہے کئی انٹرویو لے چکا ہوں آپ کے ——
بس یہ بتا دیجئے کہ اس مرتبہ آپ یورپ پاکستان کی نمائندگی کے لئے جا رہے ہیں ؟
ریاض نے پوچھا۔
میرے خیال میں ضرور جاؤں گا —— اگر میری مصروفیت نے اجازت دی۔
جیسا کہ آپ نے پچھلے انٹرویو میں بتایا تھا کہ آپ نے اپنا بچپن امریکہ میں گذارا
اس لئے آپ کی پیدائش وہیں کی تھی مگر یہ حیرت کی بات ہے کہ آپ ہر رنگ میں گا لیتے ہیں
اور ماشاءاللہ آپ کا ملک میں منفرد مقام ہے۔ بس پوچھنا یہ چاہتا تھا کہ کبھی آپ نے
انگریزی زبان میں بھی کچھ گایا ہے۔ یا گانے میں دلچسپی ہے ——
ریاض نے پوچھا ——
جی نہیں —— مجھے کوئی دلچسپی نہیں —— میرے فن پر میری جائے
پیدائش کا کوئی اثر نہیں۔
آپ کے والد امریکہ میں بہت بڑے تاجر تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ موسیقی
آپ کو ورثے میں نہیں ملی۔
جی ہاں ——
رضا کھویا کھویا سا بولا ——
شکریہ ——
ریاض فوٹوگرافر کے ساتھ باہر نکل گیا ——

آپ کی پیدائش امریکہ کی ہے ______

سلیم نے پوچھا ______

جی ____ جی ہاں ____ آپ کو کوئی شک ہے ______

رضا مسکرا کر بولا ______

تو یہ جی ____ میری مجال ____ ہاں تو پھر چلیں ۔

کہاں ______

رضا نے پوچھا ______

وہ ٹریک تو مکمل ہے ۔صرف آپ کی آواز باقی رہ گئی ہے ۔میں وہ گانا پکچرائز کرنا چاہتا ہوں ۔ہیروئین کی ڈیٹیں مل گئی ہیں ______

آج نہیں ____ میں آپ کو فون کر لوں گا کل ______

رضا نے کہا ____ اور سلیم منہ لٹکا کر چلا گیا ۔

اور رضا حسن کی آنکھوں کے سامنے میڈم نوری کے الفاظ ناچنے لگے ______

میڈم نوری جو آج سے پندرہ سال پہلے نیلم بائی تھی ______

نیلم بائی ____ جس کے کوٹھے پر لوگوں کا ہجوم ہوتا

وہ نیم عریاں بھڑکیلے کپڑوں ،خوبصورت زیورات میں سجی سجائی اپنے شیدائیوں میں میٹھی ٹمکتی ہوئی سبک سی لکیر معلوم ہوتی ۔

اور وہ خود ______

رضا حسن ______

ملک کا بہت بڑا فنکار ______

محلّے کی مسجد میں اذان دیا کرتا ______

اسے وہ دن یاد آیا ____ جب پہلی بار مولوی صاحب کے حکم کے مطابق

نیلم بائی سے مسجد کے لئے چندہ لینے گیا تھا ـــــــــ

شام سانولی سی ہو رہی تھی ـــــــــ

حسن نے ڈرتے ڈرتے نیلم بائی کی سیڑھیاں عبور کیں۔ دروازے پر کھڑے وہ اندر سجے سجائے ماحول سے کچھ خائف سا نظر آرہا تھا ـــــــــ

اس کی عمر پندرہ سال کے لگ بھگ تھی ـــــــ اس کے سر پر سفید ٹوپی تھی۔ سفید اونچا سا پاجامہ اور سفید ہی قمیض جس کے بازو پر دوسرے رنگ کے کپڑے کا پیوند لگا ہوا تھا ـــــــ

اس کی رنگت سفید تھی اور نقوش تیکھے تھے۔ اس نے تو بس اس حجرے میں ہوش سنبھالا تھا جو مسجد کے ساتھ ہی تھا۔ مولوی صاحب نے اسے بتایا تھا کہ وہ گاؤں میں رہتا تھا۔ اور جب اس کے ماں باپ مر گئے تو وہ اسے شہر لے آیا تب سے وہ مولوی صاحب کے ساتھ تھا۔

صبح وہ محلے بچوں کو سپارے کا سبق دیتا مسجد میں پانی بھرتا۔ پانچوں وقت ممبر پر چڑھ کر اذان دیتا اور شام کو مولوی صاحب کے حکم پر کچھ گھروں سے روٹی لے کر آتا ـــــــ

کھیر۔ حلوہ ـــــ سالن ـــــ چاول اور روٹیاں ـــــ سب کچھ ہی مولوی صاحب کے گھر پہنچ جاتا اور بچا کھچا اسے بھی مل جاتا۔

صبح بلند آواز میں قرآت کرتا تو کئی لوگ اس کی آواز سن کر جزاک اللہ کہتے۔

اس کی آواز میں درد تھا ـــــــ

یہ تھی اس کی زندگی ـــــــ

یہ مسجد ایک ایسی جگہ تھی ـــــ جہاں ایک گلی چھوڑ کر بازارِ حسن تھا۔ رات

طبلے اور سارنگیوں کے ساتھ اڑتی اڑتی سریلی آوازیں جب اسے حجرے میں سنائی دیتیں تو وہ بے چین ہو جاتا کرتا ـــــ اسے یہ آوازیں بہت اچھی لگتیں۔ مگر مولوی صاحب کا حکم تھا کہ وہ ان آوازوں کے پیچھے کبھی نہ جائے ـــــ یہ گناہ کی آوازیں ہیں۔

مولوی صاحب نے بازارِ حسن کے رہنے والوں سے اسے اتنی نفرت دلائی تھی کہ وہ ان آوازوں کو سنتا تو اسے ایسا لگتا جیسے گناہ کر رہا ہو ـــــ

مگر ایک طرف تو مولوی صاحب اسے ان لوگوں کے سیاہ کار ہونے کا لیکچر دیتے رہتے۔ دوسری طرف چندہ لینے کے لئے انہی کے دروازے پر بھیج دیا کرتے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ گناہ گار سیاہ کار ہی سہی، لیکن ان کے دلوں میں خدا کا خوف دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ ہے ـــــ یہ لوگ نذر نیاز دوسرے لوگوں سے زیادہ دیتے ہیں۔ ہمیشہ ان ہی لوگوں کے ہاں سے مولوی صاحب کے لئے بڑے بڑے تھال سج کر آتے ـــــ

اس کی سمجھ میں یہ بات ابھی تک نہ آئی تھی کہ مولوی صاحب اس بازار میں رہنے والوں سے تو نفرت کرتے ہیں لیکن ان کے عطیے قبول کر لیتے ہیں۔

وہ نیلم بائی کے دروازے پر سہما سہما سا کھڑا تھا کہ
چھم چھم کرتی نیلم بائی آکر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔
ایک استاد کی نظر اس پر پڑی تو کہنے لگا۔
کیا بات ہے بے ـــــ
وہ جی مسجد سے آیا ہوں ـــــ
وہ آہستہ سے بولا۔
چندہ لینے کے لئے آیا ہوگا ـــــ جاؤ پھر کسی وقت آنا۔

استاد بولا ـــــــ
اسے اندر بلالو استاد جی ـــــ
نیلم بائی اس کی معصوم سی صورت کی طرف دیکھ کر بولی ۔
رہنے دو بائی جی ـــــ رستہ دیکھ لیا تو چھٹکارا مشکل ہو جائے گا ۔
استاد بولا ـــــــ
نہیں استاد جی ـــــ ایسا نہ کہیئے ـــــ بڑا نیک لڑکا معلوم ہوتا ہے ـــــ نیلم بائی بولی ۔
آجا بیٹے ـــــــ
استاد نے آواز دی تو وہ ٹھوکر کھاتے ہوئے بچا ۔
لیکن ہمت کر کے اندر آگیا ۔
کیا نام ہے تمہارا ـــــــ
نیلم بائی نے پیار سے پوچھا ـــــــ
حسن ـــــــ
وہ آہستہ سے بولا ـــــــ
نکڑ والی مسجد سے آئے ہو نا ـــــــ
نیلم بائی نے پوچھا ـــــــ
جی ہاں
ایک بات بتاؤ گے ـــــــ
نیلم بائی نے اسے قریب بلا کر پوچھا ـــــــ
حسن نے نظریں اٹھائیں ـــــــ
اس مسجد میں اذان کون دیتا ہے ۔

میں ـــــــــ

حسن آہستہ سے بولا ـــــــ

تم ـــــ!

نیلم بائی حیرت سے بولی۔

حسن نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

سچ ـــــــــ

نیلم خوشی سے بولی ـــــــ

جی ـــــ میں ہی اذان دیتا ہوں ـــــــ

حسن مسکرایا ـــــــ

حیرت ہے ـــــ استاد جی ـــــ آپ بھی تو سنتے ہیں۔ کبھی غور کیا آپ نے۔ کتنا درد ہوتا ہے ـــــ ایک پکار ہوتی ہے ـــــ ہے نا استاد جی۔

ہاں بی بی ـــــ واقعی ـــــ یہ لونڈا تو کمال کا ہے ـــــ اس کی آواز کی تو بہت لوگ تعریف کرتے ہیں ـــــ جمعہ کے روز نعت بھی تم نے ہی پڑھی تھی نا ـــــ

استاد حسن کی طرف دیکھ کر بولا ـــــ

جی ـــــ

حسن نے کہا ـــــ

واہ مولا ـــــ تیری دین ہے تو جس کو دے۔

استاد نے کہا ـــــ

مجھے نعت سناؤ گے حسن ـــــ

نیلم پیار سے بولی ـــــ

آپ کو ـــــــــ

حسن نے حیرت سے کہا ـــــــ

ہاں، کوئی حرج ہے کیا ـــــــ

جی ـــــ نہیں تو ـــــ

تو پھر سناؤ ـــــ بیٹھ جاؤ یہاں ـــــ

حسن اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا ـــــ کانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور

نعت شروع کر دی

اس کی آواز کے درد نے نیلم بائی کو مسحور کر دیا۔

اس کی آنکھیں بھر آئیں ـــــ ایک تو ذکر محمدؐ، اس پر ـــــ

حسن کی خوبصورت آواز ـــــ

نیلم کے آنسو مچل مچل کر بہنے لگے ـــــ

جزاک اللہ ـــــ

نیلم نے حسن کی طرف دیکھ کر کہا ـــــ

واہ واہ ـــــ مولا کی دین ہے ـــــ

استاد بولا ـــــ

کچھ دیر بعد حسن کھڑا ہو گیا ـــــ

تم آئے کیسے تھے حسن ـــــ

نیلم اسے جاتا دیکھ کر بولی۔

جی مولوی صاحب نے چندہ جمع کرنے کو کہا ہے۔

حسن بولا ـــــ

ہاں ـ ہاں ضرور، نیلم بائی نے دس روپے کا نوٹ حسن کو تھما دیا اور لینے لگی۔

میرے پاس ضرور آیا کرو ــــ تمہاری آواز سن کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔
اور گناہوں کا احساس ہونے لگتا ہے ــــــ

حسن نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور چل دیا ــــــ

سنو ــــــ

نیلم بائی نے پکارا ــــــ

جی ــــــ

حسن مڑ کر بولا ــــــ

پرسوں نوچندی جمعرات ہے ــــ میں نے نیاز دلوائی ہے۔ تم شام کو آ جانا ــــ آؤ گے نا ــــ

حسن نے اثبات میں سر ہلا دیا ــــ اور باہر نکل گیا ــــــ

کمال کا گلا تھا اس کا استاد جی ــــــ

اس کے جانے کے بعد نیلم بولی۔

ہاں بائی جی ــــ بے شک ــــ اگر کہیں میرے ہاتھ میں ہوتا تو ملک کا بہت بڑا فنکار بنا دیتا اسے ــــ بہت کچھ ہے اس کے گلے میں ــــــ
استاد تو کہہ کر اندر چلا گیا اور نیلم سوچ میں کھو گئی۔

نوچندی جمعرات تھی ـــــــــــ

نیلم کے گھر بہت سی دوسری طوائفیں بھی جمع تھیں ـــــــ وہ سب ہی اس وقت سفید لباسوں میں سر ڈھکے نیک بیبیاں نظر آ رہی تھیں ۔

نیلم نے حسن سے بہت ساری نعتیں سُنیں ـــــــــــ

سب ہی نے حسن کی بڑی تعریف کی ـــــــــــ

نیلم کو تو یوں لگتا جیسے وہ حسن کی نہیں اس کی تعریف ہو رہی ہے ـــــ

اس روز اس نے مولوی صاحب کو کھانے کے بڑے بڑے تھال بھجوائے ۔

اور حسن کو کافی دیر اپنے پاس بٹھائے رکھا ـــــــــــ

کل آؤ گے حسن ـــــــــــ

نیلم بولی ـــــــــــ

مولوی صاحب اجازت نہیں دیتے ۔

حسن نے کہا ـــــــــــ

میں مولوی صاحب سے تمہیں مانگ لوں ـــــــــــ

نیلم بولی ــــــ

مانگ لیجئے ــــ مگر مسجد کا کام کون کرے گا۔

حسن مسکرا کر بولا ــــ

کیا کام کرتے ہو تم ــــ

پانی بھرتا ہوں ــــ جھاڑ دیتا ہوں ــــ صفیں جھاڑتا ہوں۔

اور بچوں کو سبق بھی دیتا ہوں ــــ

حسن نے کہا ــــ

اتنا سارا کام ــــ

نیلم بائی بولی ــــ

جی ہاں ــــ

یہ اچھا کام ہے حسن، مسجد اللہ کا گھر ہے نا ــــ اور اللہ کے گھر کا خادم

بہت نیک ہوتا ہے، جیسے تم ہو ــــ

نیلم بائی پیار سے بولی ــــ

آپ کا گھر بھی تو بہت اچھا ہے ــــ

حسن نے حیرت سے کہا ــــ

تمہیں اچھا لگتا ہے ــــ

نیلم نے دُکھ سے کہا ــــ

بہت ــــ

مگر مجھے اچھا نہیں لگتا ــــ

کیوں ــــ؟

تم نہیں سمجھ سکو گے ــــ خیر تم یہاں ضرور آیا کرو۔

مجھے نعتیں سُنایا کرو ـــــ
مجھے ریڈیو کا گانا بھی آتا ہے ـــــ
حسن جلدی سے بولا ـــــ
ریڈیو کا گانا ـــــ وہ تم نے کہاں سے سیکھا ـــــ
ایک دن سُنا تھا ـــــ بس آگیا ـــــ سناؤں ـــــ
حسن بولا ـــــ
حسن نے ایک فلمی گیت شروع کر دیا۔ بول کچھ صحیح نہیں تھے۔ لیکن طرز صحیح تھی ـــــ
بہت اچھا ہے ـــــ اچھا یہ لو ـــــ
نیلم نے کچھ روپے حسن کے ہاتھ میں دیئے ـــــ
یہ مولوی صاحب کو دینے ہیں کیا ـــــ
حسن سادگی سے بولا ـــــ
نہیں اپنے پاس رکھو ـــــ اپنے لئے کپڑے بنانا۔
نیلم نے کہا ـــــ
مُنہ کا باجا بھی خریدوں ـــــ
خرید لینا ـــــ نیلم ہنسی ـــــ
اور حسن خوش خوش باہر نکل گیا۔

حسن کا نیلم بائی کے ہاں روز آنے جانے کے متعلق جب مولوی صاحب کو پتہ چلا تو انہوں نے غضب ناک ہو کر حسن کو لکڑی سے خوب پیٹا ـــــ اس کے سارے جسم پر نیل پڑ گئے۔

اس رات وہ حجرے میں پڑا سسکتا رہا۔
مولوی جی نے اسے بہت مارا تھا کہ وہ گناہ کے بازار میں کیوں جاتا ہے۔
اسے لگا ـــــ مولوی صاحب غلط کہتے ہیں۔
نیلم بائی جیسا تو دنیا میں کوئی نہیں ـــــ وہ کتنا پیار کرتی ہے اس سے جب بھی وہ جاتا ہے اس کو اچھی اچھی چیزیں کھلاتی ہے اس سے اچھی اچھی باتیں کرتی ہے اور جب وہ اس سے گانے سنتی ہے تو اس وقت کتنی غمزدہ لگتی ہے۔
اس رات اسے بالکل نیند نہ آئی ـــــ
اور پھر اسی طرح تین چار دن گزر گئے تو نیلم بائی خود اس کے حجرے میں آگئی۔
اسے دیکھ کر وہ رو دی ـــــ
تمہیں کیا ہوا ہے حسن ـــــ
مولوی صاحب نے مارا ہے ـــــ
حسن بھرائی ہوئی آواز میں بولا ـــــ
کیوں ـــــ
نیلم روہانسی ہو رہی تھی۔
وہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے پاس نہ جایا کروں ـــــ
حسن اٹھ کر بیٹھ گیا ـــــ
میں ابھی مولوی صاحب سے بات کرتی ہوں ـــــ
نیلم بائی اٹھ کر مولوی صاحب کی طرف چل دی ـــــ
اور پھر تھوڑی ہی دیر میں واپس آگئی ـــــ مولوی صاحب بھی اس کے ساتھ تھے ـــــ
چلو حسن ـــــ آج سے تم میرے پاس رہو گے۔

نیلم بولی ــــــــ
حسن نے سہم کر مولوی صاحب کی طرف دیکھا۔
ہاں ــــ ہاں جاؤ بیٹا ــــــ
مولوی صاحب نے کہا ــــــ
اور جھپلا نگ لگا کر اُٹھ بیٹھا ــــــ
اور نیلم کے ساتھ چلا آیا ــــــ

نیلم بائی نے اسے گانے کی باقاعدہ تعلیم دلوانی شروع کر دی۔
اچھے کپڑے ــــ اچھا کھانا ــــ حسن کی صورت بدل گئی۔
نیلم بائی اس سے بہت پیار کرتی۔ لیکن ساتھ ساتھ وہ اس پر کڑی نگرانی
بھی رکھتی ــــ حسن کو یہ بالکل اجازت نہ تھی کہ وہ کوٹھے سے باہر جائے ــــ
لڑکوں سے دوستی کرے یا یونہی بازار کی رونقیں دیکھا کرے ــــــ
صبح کے وقت نیلم بائی کی گاڑی اسے اسکول پہنچا دیتی اور دوپہر کو
اسکول سے لے آتی۔
اس کے بعد وہ گھر میں ریاض کرتا ــــــ
شام جب نیلم بائی کے گاہک آتے تو حسن کو اپنے کمرے میں ہی رہنے کا حکم
تھا۔
حسن کا دل بہت چاہتا کہ وہ بھی بڑے کمرے میں بیٹھ کر نیلم بائی کا مجرا دیکھے۔
لیکن نیلم بائی اسے ڈانٹ بھی دیا کرتی۔
اس لئے وہ خاموش کمرے میں بیٹا کتابیں پڑھتا رہتا۔
اور یوں ــــــ

دن گزرتے گئے ______

نیلم بائی خوبصورت تھی۔ جوان تھی اور سمجھدار تھی ______

فلم پروڈیوسر اسے فلم میں لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اور ایک دن ______

وہ کوٹھے سے کوٹھی میں آگئی ______

حسن اس کے ساتھ تھا ______

یہاں حسن پر زیادہ پابندی نہیں تھی نیلم بائی جواب میڈم نوری کے نام سے فلموں میں کام کرنے لگی تھی۔ شوٹنگ پر چلی جاتی اور حسن کالج جاتا۔ ریاض کرتا۔ مختلف ساز سیکھتا ______ دن بڑے مزے میں گزر رہے تھے۔

حسن کا فن نکھر رہا تھا ______

اور نوری اس کی آواز سن سن کر خوشی سے جھوم جھوم جاتی۔

شوٹنگ سے تھکی ہاری وہ تھوڑی دیر پہلے گھر آئی تھی ______

لیکن گھر پر بھی ملنے والے بیٹھے تھے ______ آج فلم انڈسٹری میں نوری کا نام کامیابی کی ضمانت بن گیا تھا ______

لوگ بڑی بڑی رقمیں لے کر آتے اور نوری کو کاسٹ کرتے اور پھر شوٹنگ کی درخواست کرتے۔

نوری کا نام آج کل چمک رہا تھا ______

جب کبھی اس کی کوئی فلم ریلیز ہوتی تو وہ حسن کو بھی ساتھ لے جاتی ______

آج بھی اس کی فلم ریلیز ہوئی تھی۔ فلم کا پروڈیوسر پھولوں اور گوٹے کے چمکتے ہار لئے ڈرائینگ روم میں اس کا منتظر تھا ______

لیکن وہ سیدھی حسن کے کمرے میں آگئی۔

کیا کمرہ ہے یہ حسن ـــــــ
نوری کرسی پر اپنے آپ کو گرانے کے انداز میں بیٹھ گئی ــــــــ
جی کچھ نہیں ــــــ یونہی موسیقی کے بارے میں ایک کتاب چھپی
ہے وہ دیکھ رہا تھا ــــــــ
اچھا ــــــــــ
بہت تھک گئی ہیں آپ ــــــــــــ
حسن اس کی طرف عقیدت سے دیکھ کر بولا۔
ہاں ــــ آج پورا گانا بکھر اُٹھ کر آ دیا ہے۔
آؤٹ ڈور تھا ــــــ بہت بھاگ دوڑنا پڑا ــــــ
نوری بولی ــــــــــ
چائے بنوا لوں آپ کے لئے۔
حسن بولا ــــــــ
میں نے نوکر کو کہہ دیا ہے تم بیٹھو ــــــــــ
ڈرائینگ روم میں آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔
نوکر چائے کی ٹرالی اندر لاتے ہوئے بولا ــــــــ
کہہ دو ــــــ کچھ ــــــ
نوری نے کہا ــــــــ
جی میں نے کہہ دیا ہے وہ باتھ روم میں ہیں ــــــــــ
نوکر بولا ــــــــ
بس ٹھیک ہے ــــــــــ
نوری نے چائے کی پیالی ہاتھ میں لے لی ــــــ

نوکر باہر نکل گیا ــــــــ

حسن ــــــــ

نوری کھوئی کھوئی سی بولی ــــــــ

جی ــــــــ

میں ایک فلم شروع کر رہی ہوں ــــــــ

جی بڑی خوشی کی بات ہے ــــــــ

اور پتہ ہے اس فلم کے سارے گانے تم گاؤ گے ــــــــ

جی ــــــــ

حسن حیرت اور مسرت سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا

ہاں حسن ــــــــ یہ فلم میوزیکل ہو گی۔ میں اس میں کام کروں گی اور میرے ساتھ جونی کے سارے۔ یعنی ایک کلاس تھیم۔ اور تمہاری میں اتنی پبلسٹی کروں گی کہ لوگوں کو تمہاری آواز سننے کی بے قراری ہو گی وہ انتظار کریں گے ــــــــ میں اس انڈسٹری کو ایک نادر تحفہ دے رہی ہوں ــــــــ اس ملک کو ایک بہت بڑا فن کار دے رہی ہوں ــــــــ میں ــــــــ میں ــــــــ حسن ــــــــ

نوری خوشی میں بول رہی تھی۔

اور حسن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

اس نے نوری کے پاؤں پکڑ لئے اور اپنی آنکھوں سے لگا کر بولا۔

میں نے تو کبھی ایسا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔

پاگل نہ بنو حسن ــــــــ اٹھو ــــــــ

نوری نے اسے اٹھایا ــــــــ اور کہنے لگی ــــــــ نئی زندگی کے ہنگاموں سے گھبرانا نہیں حسن ــــــــ بس یہ سمجھنا ــــــــ کہ تم سب سے اچھے ہو۔

اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھنا حسن ــــــ

جو لوگ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے۔ وہ اس ملک میں مر جاتے ہیں ــــ وہ اتنے پیچھے ہو جاتے ہیں کہ پھر کبھی ابھر نہیں سکتے ــــــ اس لئے میری تمہیں ایک ہی نصیحت ہے ــــــــ

اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھنا ــــــ ایسی جگہ پر تصور کرنا۔ جہاں سب لوگ تم سے پیچھے ہوں ــــ پھر دیکھنا لوگ تمہارے پیچھے بھاگیں گے۔ تمہیں آنکھوں پر بٹھانے کو بے تاب نظر آئیں گے۔

حسن اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ گے

پرسوں میں فلم کا افتتاح کروں گی ــــ اور پرسوں ہی تم پہلا گانا گاؤ کل کے سارے پرچوں میں تمہاری تصویریں چھپیں گی۔ کل تمہیں میوزک ڈائریکٹر ریہرسل کروانے آئے گا۔

یہ پہلا گانا تمہارا مقدر ہے حسن ــــــــ

اپنے مقدر کو حسین بنانا اب تمہاری محنت ہے۔

نوری نے اٹھ کر حسن کے کندھے کو تھپتھپایا اور باہر نکل گئی ــــــ

اور حسن کے سامنے رنگ جھلمل جھلمل کرنے لگے ــــــــ

میڈم نوری کا ایک ایک لفظ جیسے اس کے دل و دماغ پر نقش ہو کر رہ گیا۔

یہ گانا تمہارا مقدر ہے ــــــــ

تم اپنے آپ کو ہمیشہ بہت اونچا تصور کرنا ــــــ

سمجھ لینا ــــ کہ سب تم سے پیچھے ہیں ــــــ وہ تصور ہی تصور میں وہاں پہنچ گیا۔

جہاں بلندیوں کی حد تھی ــــــ

اس نے دیکھا ـــــ لوگ اس کے آٹوگراف لینے کے لئے نیچے کھڑے ہیں۔ اور وہ رنگوں اور روشنی کی دنیا میں گھرا ہوا، کتنا مسرور ہے۔

حسن کا پہلا گانا واقعی اس کا مقدر تھا ـــــ

اور مقدر ایک ہی دن میں چمک اٹھا تھا ـــــ

جس روز فلم کی مہورت تھی۔ کئی لوگ حسن کا گانا سننے آئے ـــــ

اس کی آواز سن کر ہر ایک نے واہ واہ کی ـــــ

ہر ایک نے داد دی ـــــ

اور یہ ساری تعریفیں سن کر میڈم نوری خوشی سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔

حسن شرمایا شرمایا سا تھا

گانا ٹھیک ہوا تو اسے سننے کے لئے تقریباً سارا اسٹوڈیو میوزک ہال میں جمع ہو گیا۔

حسن پھولوں کے ہاروں سے لدا لوگوں کی رائے سننے کو بیتاب تھا۔

اور سب کی رائے اس کی توقع سے بڑھ کر تھی ـــــ

اسی رات اسے کئی آفر ملیں ـــــ لیکن میڈم نوری نے ابھی کسی سے

حامی نہ بھری۔

یہ دن حسن کی زندگی کا یادگار دن تھا ——

وہ میڈم نوری کی ہدایت کے مطابق محنت کرتا گیا۔

کئی گیت بنے ——

سارے کے سارے ہی خوبصورت اور پراثر تھے۔

میوزک ڈائریکٹر اسے اپنی فلموں میں لینے کو بے تاب تھے ——

لیکن میڈم نوری نے ابھی تک اجازت نہ دی تھی۔

اور پھر ——

فلم مکمل ہو گئی ——

اور جس روز فلم ریلیز ہوئی۔

حسن کی مقبولیت گلی گلی پھیل گئی ——

اس کے نغمے ریڈیو۔ ٹیلیویژن۔ فلم کے علاوہ بچے بچے کی زبان پر تھے

میوزک کی وجہ سے فلم نے گولڈن جوبلی کی ——

اور حسن کو کئی ایوارڈ ملے ——

حسن کی مقبولیت دیکھ دیکھ کر میڈم نوری کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔

اس روز فلموں کا ایک بہت بڑا اور مشہور ڈائریکٹر حسن کی آواز کے لئے

میڈم نوری کے پاس آیا ——

حسن بھی بیٹھا تھا ——

میڈم نے ڈائریکٹر سے طرح طرح کی باتیں کیں۔

عجیب عجیب شرطیں سامنے رکھیں۔ جن میں بھاری معاوضہ، گرامفون

کمپنیوں کی رائیلٹی اور ریڈیو اسٹیشن کی رائیلٹی سرفہرست تھیں۔
جس کے لئے ڈائریکٹر پس و پیش کر رہا تھا۔
حسن کو پہلی بار میڈم نوری پر غصہ آیا ـــــــــ
اس نے سوچا ـــــــــ
آخر یہ اتنی شرطیں کیوں لگا رہی ہے۔ یہ ساری شرطیں شاید صرف اس لئے ہیں کہ ڈائریکٹر تنگ آکر واپس چلا جائے ـــــــــ
اس کے ذہن میں پہلی بار ایک کھلبلی سی مچ گئی۔
میڈم نوری مجھے قید رکھنا چاہتی ہے ـــــــــ
وہ کیوں چاہتی کہ مجھے زیادہ کنٹریکٹ ملیں۔
باغیانہ خیالات نے حسن کو ڈانواڈول کر دیا۔
وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔
اس کے جانے کے بعد ڈائریکٹر میڈم نوری کی شرطیں مان گیا۔ اور ایڈوانس کی رقم بھی دے گیا۔
میڈم نوری رقم اور کنٹریکٹ لے کر حسن کے کمرے میں گئی۔
تو دیکھا ـــــــــ
وہ دیوار کی طرف منہ کئے اداس سا لیٹا ہے۔
کیا بات ہے حسن ـــــــــ
میڈم نوری نے پوچھا ـــــــــ
حسن خاموش رہا ـــــــــ
طبیعت تو ٹھیک ہے نا ـــــــــ
حسن تب بھی خاموش رہا ـــــــــ

کیا ہوا ـــــ تم وہاں سے اٹھ کر کیوں آگئے۔

نوری نے پوچھا ـــــ

میں بیٹھ کر وہاں کیا کرتا ـــــ

حسن آہستہ سے رنجیدہ سی آواز میں بولا۔

کیوں ـــــ

نوری کو تعجب سا ہوا ـــــ

سارے فیصلوں کا حق تو آپ کو ہے نا ـــــ آپ نے اپنی مرضی کرنا ہے۔ پھر میں کس لئے بیٹھتا ـــــ

حسن ـــــ

میڈم کو یوں لگا۔ جیسے کمرے میں زلزلہ آگیا ہے ـــــ

حسن کی آواز کے طنز نے اس کا سینہ چیر کر رکھ دیا ـــــ

عقلمند اور سمجھدار تھی ـــــ برداشت کر گئی ـــــ

کہنے لگی ـــــ

اور تم ناراض ہو گئے ـــــ

میں ناراض تو نہیں البتہ ایک بات سوچ رہا ہوں ـــــ

حسن آہستہ سے بولا ـــــ

کیا ـــــ

یہی کہ آپ نے میرے فن کو جلا بخشی ہے ـــــ مجھ پر بڑی محنت کی ہے ـــــ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ آپ نے مجھے نہ جانے کیا بنا دیا ہے۔

لیکن ـــــ لیکن ـــــ

کیا صرف اپنے لئے ـــــ

نوری نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔
امنڈ نے والے کالے کالے جذبات کو چھپا کر ہنسنے لگی ___
بس اتنی سی بات پر خفا ہو گئے ___
حسن خاموش بیٹھا رہا ___
یہ دیکھو ___ یہ کیا ہے ___
نوری نے کاغذ اس کے سامنے پھیلا دیئے ___
حسن نے سرسری سی نظر ڈالی ___
یہ کنٹریکٹ ہے ___ اور فلم والے میری شرطیں مان گئے ہیں تم کچھ نہیں جانتے کہ یہ لوگ کیسے ہوتے ہیں۔ یہ کاروبار کیسے چلتا ہے۔ شہرت کیسے ملتی ہے۔ اور انسان چھوٹا کیسے بنتا ہے ___ میں ___ میں چاہتی ہوں حسن تمہارا مقابلہ کوئی نہ کر سکے۔ اگر میں یونہی ان کی باتیں ماننے لگ جاؤں اور تم ہر اچھی بری فلم میں گانے لگو ___ تو تم دیر تک نہیں چل سکو گے ___ مختلف میوزک ڈائریکٹر تمہارا یا تو ایک ہی انداز بنا دیں گے ___ یا تم سے ایسے گانے گوائیں گے کہ تم مر جاؤ گے ___

نوری بڑے پیار سے اسے سمجھا رہی تھی۔
اور حسن شرمندگی کے احساس سے کٹا جا رہا تھا۔
اسے اپنی سوچ پر غصہ آ رہا تھا ___
میں نے اس عظیم خاتون کے بارے میں کیا سوچا ___
چہرہ سرخ ہو گیا ___ آنکھوں میں آنسو آ گئے ___ کہنے لگا۔
مجھے معاف کر دیجئے ___
ارے کیسی معافی ___

نوری ہنس کر بولی ــــــ

میں نے ــــ میں نے پتہ نہیں کیا سوچ لیا ــــ میں بہت برا ہوں۔

حسن کی آنکھوں میں آنسو بہہ نکلے ــــــ

پاگل نہ بنو حسن ــــــ

نوری نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ــــــ

حسن نے اس کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔

آؤ کھانا لگ گیا ہے ــــــ

نوری اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی ــــــ

اور وہ شرمندہ شرمندہ سا اس کے ساتھ چل دیا ــــــ

اور یوں حسن دوسری فلموں کے لئے بھی گانے لگا ــــــــــ
اس کی شہرت اپنے ملک سے نکل کر دوسرے ملکوں تک پھیل گئی۔
باہر نکلا تو ــــــــ دنیا نہایت حسین لگی ــــــــ
خوبصورت تھا۔ جوان تھا ــــــــ چاہنے والے بھی مل گئے۔
ان ہی دنوں ایک نئی ہیروئین شاذی دیکھتے ہی دیکھتے شہرت پا گئی۔ شاذی
خوبصورت تھی اور اچھی فنکارہ بھی ــــــــ فلمیں ہٹ ہونے لگیں۔ شاذی
کا ستارہ عروج پر تھا ــــــــ

حسن کی شاذی سے پہلی ملاقات ہی کچھ عجیب انداز میں ہوئی ــــــــ
کسی فلم کی رسم افتتاح تھی ــــــــ شاذی اس فلم کی ہیروئین تھی اور مہورت
کا گانا حسن گا رہا تھا۔ شاذی کو اکثر اسٹوڈیو میں آتے جاتے حسن نے دیکھا تو تھا۔
مگر دونوں کا باقاعدہ تعارف نہیں تھا۔
مہورت کے بعد جب حسن نے ٹیک گا دیا تو شاذی بہت ہی متاثر ہوئی۔

بوتھ میں ہی چلی آئی ــــــــ

بہت خوبصورت گاتے ہیں آپ ــــــــ

شاذی بغیر تعارف کے بولی ــــــــ

شکریہ ــــ غائبانہ تعارف تو آپ سے تھا ہی ــــــــ

آپ کی پرفارمینس بھی تو لاجواب ہوتی ہے۔

حسن بولا ــــــــ

کاش میں مرد ہوتی ــــــــ

شاذی ٹھنڈا سانس لے کر بولی۔

کیوں ــــــــ

حسن ہنسا ــــــــ

آپ کے گائے ہوئے نغمے تو پکچرائز ہوتے مجھ پر۔

شاذی بولی ــــــــ

واقعی ــــ جان پڑ جاتی ہے نغموں میں۔

حسن مسکرا کر بولا ــــــــ

اب کیا ہو سکتا ہے ــــــــ

شاذی مسکرائی ــــــــ

صبر ــــ حوصلہ ــــــــ

حسن جلدی سے بولا ــــــــ

اور یہ چھوٹی سی ملاقات لمبی اور طویل ملاقاتوں میں تبدیل ہو گئی ــــــــ

شاذی اور حسن کا چرچا سٹوڈیو میں ہونے لگا۔

اور پھر یہ خبریں اخباروں میں بھی چھپنے لگیں۔

یہ خبر میڈم نوری نے بھی سُنی ______

حسن اب زیادہ وقت باہر رہتا تھا۔

میڈم نوری کی مارکیٹ آہستہ آہستہ ڈھل رہی تھی۔ اس لئے آج کل اس کے پاس زیادہ فلمیں نہیں تھیں۔

وہ زیادہ تر گھر پر رہتی ______

لیکن حسن غائب ہوتا ______

پہلے پہل تو حسن میڈم کو بتا دیا کرتا کہ وہ کہاں مصروف ہے ______ پھر بہانے بنانے لگا ______ اور پھر وہ اس کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا تھا ______ بیزار سا رہتا ______

اسے تو یوں لگتا جیسے اس نے ساری کائنات کو مسخر کر لیا ہے۔

شاذی کی محبت کے نشے میں چُور ہر وقت مدہوش سا رہتا ______ شاذی کی محبت میں کتنی تیزی۔ کتنی تاثیر۔ کتنی لطافت تھی۔

اس کے گلنار ہونٹوں کی آتشیں مستی ______ اس کی سُلگتی ہوئی عریاں باہوں کا گداز اور اس کی گہری نشیلی آنکھوں کا جادو اس کے وجود میں گھل مِل گیا تھا۔

یہ نہ اترنے والا نشہ تھا۔

اور یہ نشہ چاندنی کی سمیں لہر دل اپر بہتی ہوئی بہت ساری بہکی بہکی راتوں کے سینے میں اتر گیا تھا۔

اس نے کئی راتیں شاذی کے پہلو میں گزاریں اور جب وہ گھر آتا تو میڈم نوری کی آنکھیں جیسے اس میں کچھ ڈھونڈتی رہتیں۔

ان آنکھوں سے اسے خوف آنے لگا تھا ______

اس رات شاذی کی سالگرہ تھی۔

اور ـــــــــ

شاذی کی کوٹھی کے وسیع ہال میں روشنی کی تیز جگمگاہٹوں میں انگریزی سازندوں کی جذبات انگیز دھن پر رقص جاری تھا۔

میزوں پر شراب کے جام کھنک رہے تھے۔ خوشبو اڑ رہی تھی۔

اس رات پہلی مرتبہ اس نے شاذی کے نازک ہاتھوں سے شراب پی۔

وہ انکار نہ کر سکا ـــــــــ

شاذی نے جام اس کے ہونٹوں سے لگایا اور وہ مسکرا کر پی گیا۔

سازوں کی دھن کلائمکس کو چھو رہی تھی۔

پسینے میں دمکتے ہوئے نیم عریاں نسوانی نقرئی بدن اپنے ہم رقصوں کے بازوؤں میں جھول رہے تھے۔

اور شاذی جھومتی لہراتی ہوئی مدھم سی سبز روشنی میں حسن کے بازوؤں کے حلقے میں جذب ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

اس کے جوان مہکتے ہوئے جسم کی ساری خوشبو اور سارا رنگ یاں حسن کے جذبات میں قوس و قزح کے رنگوں کی طرح کھنچنے لگا۔ شاذی کے کانپتے ہوئے رسیلے ہونٹوں پر خود سپردگی کے الف لیلوی افسانے بکھرے ہوئے تھے۔

شاذی کے حسن و جمال کا سارے ملک میں چرچا تھا اس کے حسن کی تمکنت اور غرور میں ایک مرعوب کن سحر تھا۔

لوگ اس کی قربت کے لئے تڑپتے تھے ـــــــــ

مگر وہ حسن کی دیوانی تھی۔

اور حسن کو اس کی محبت نے مغرور بنا دیا تھا۔

یوں بھی میڈم کی تربیت نے اسے احساس کمتری سے بہت دور کر دیا تھا۔

وہ اپنے آپ کو ہمیشہ بہت اونچی جگہ تصور کرتا ______
پارٹی ختم ہوئی تو وہ حسن کو لے کر اپنے خوبصورت بیڈروم میں آگئی ____
حسن ______
وہ تبسم کے پھول بکھیرتی اس کے سینے میں منہ چھپا کر بولی ۔
ہوں ______
ہم کب تک یوں ہی رہیں گے میرا مطلب ہے کہ شادی کب کریں گے ۔
اس نے چھلکتی ہوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا ۔
حسن خاموش سا ہو گیا ______
ایک بات کہوں حسن برا تو نہیں مانو گے ______
شازی بولی ______
کیا ______
تم اپنا گھر کیوں نہیں بناتے ۔ کب تک میڈم نوری کے پاس رہو گے ۔
پتہ ہے لوگ عجیب سی باتیں کرتے ہیں ______
شازی نے جو بات کہی وہ حسن کئی روز سے سوچ رہا تھا ______
اس کے پاس لاکھوں روپے جمع ہو چکے تھے جو میڈم نوری ہی کے کہنے پر
اس نے مختلف بینکوں میں جمع کرا رکھے تھے ۔
میڈم نوری نے اسے ایک کار بھی لے دی تھی ۔
ایک خاص ملازم تھا جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتا ۔
مگر رہتا وہ میڈم نوری کے ہاں تھا ______
حالانکہ خواہش کئی بار دل میں مچلی ______
کاش میرا اپنا گھر ہو ______ کاش میرا گھر ہو ______

خاموش کیوں ہو ــــــــــ

شازی نے پوچھا ــــــــــ

بس یونہی ــــــــــ

ایک بات تو بتاؤ ــــــــــ

کیا ــــــــــ

میڈم نوری کا تم سے کیا رشتہ ہے۔

کوئی بھی نہیں ــــــــــ

تو پھر تم وہاں کیوں رہتے ہو ــــــــــ

اس لیے کہ میں بچپن سے میڈم نوری کے ساتھ امریکہ سے آیا تھا۔

حسن زجھوٹ بولتے ہوئے پسینہ پسینہ ہو گیا ــــــــــ

میڈم نوری امریکہ گئی تھیں ــــــــــ

شازی نے پوچھا ــــــــــ

ہاں ــــــــــ

میرے والدین کا انتقال ہو گیا۔ میڈم نوری اس وقت ایک اچھے خاندان کی خاتون تھیں۔ ان کے آبا مجھے لے آئے۔ کیوں کہ میری بہت ساری جائداد تھی۔ جس کا نگراں میڈم نوری کا باپ تھا۔

لیکن حسن میں نے تو سنا ہے میڈم نوری کسی وقت نیلم بائی تھیں۔

شازی آہستہ سے بولی ــــــــــ

یہ بعد کی بات ہے ــــــــــ

اس وقت تم کہاں تھے ــــــــــ

کہیں بھی تھا۔ تم یہ تفصیل کیوں جاننا چاہتی ہو ــــــــــ

حسن چڑ گیا ________

ناراض ہو گئے ________

شاذی ہنس دی ____ پھر کہنے لگی۔ تم اپنا ایک الگ گھر بناؤ ____ لوگ تمہاری بہت عزت کرتے ہیں۔ اپنی عزت کو مشکوک نہ کرو۔

حسن سوچ میں پڑ گیا ________

اچھا اچھا سادہ گھر آیا ________

اس نے دیکھا میڈم نوری اس کے کمرے میں بیٹھی ہیں ________

حسن ________

میڈم اسے دیکھتے ہی بولی ________

جی ________

حسن کے شعور اور لاشعور میں ایک جنگ سی چھڑی تھی۔

طاہر صاحب آئے تھے۔ بہت انتظار کیا تمہارا ________

میڈم سنجیدگی سے بولی ________

میں ان کی فلم میں نہیں گاؤں گا ________

حسن بولا ________

کیوں ________

نوری نے نرمی سے پوچھا ________

انہوں نے اپنی فلم سے شاذی کو کٹ کر دیا ہے۔

حسن جلدی سے بولا ________

کیوں ؟ میڈم نے چبھتی ہوئی نظر حسن پر ڈالی۔

سگریٹ سلگایا اور بولی ________

تمہارا شادی سے کیا تعلق ہے۔
حسن چونکا ـــــ لیکن بغیر کسی خوف کے بولا ـــــ
میں شادی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔
اچھا ـــــ بڑی خوشی کی بات ہے۔
میڈم نے ہنس کر حسن کی طرف دیکھا۔
حسن کچھ حیران ہوا ـــــ اسے یہ توقع ہرگز نہ تھی ـــــ
کہنے لگا ـــــ
اس لیے میں نے انکار کر دیا تھا ـــــ
یہ تمہارا اپنا معاملہ ہے ـــــ مگر حسن ایک بات کہوں رہ می
یا نئیں کیا کرو جو تمہارا دل چاہتا ہے۔ بات طے کرنے سے پہلے سوچا ضرور کرو۔
یعنی اس کے دونوں پہلو۔
حسن کو غصہ آ گیا ـــــ
کہنے لگا ـــــ
میڈم اب میں بچہ نہیں ہوں۔ اپنا اچھا برا خوب سمجھتا ہوں۔
میڈم نے ایک نظر دیکھا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی ـــــ
سنیئے ـــــ
اسے جاتا دیکھ کر حسن بولا ـــــ
وہ رک گئی ـــــ
میں اپنے لئے گھر لینا چاہتا ہوں ـــــ
حسن بولا ـــــ
تم اپنی مرضی کے خود مالک ہو ـــــ

میڈم نوری نے بغیر مڑے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

اور پھر ———

وہ اس گھر سے چلا گیا ———

اس کے بعد کئی مرتبہ اس کا دل چاہا کہ میڈم کی خیریت دریافت کرے۔
مگر شاذی کی محبت نے اسے بری طرح جکڑ لیا تھا۔

وہ ملنے بھی نہ جا سکا ———

شاذی نے بے وفائی کی ———

تو ممو آ گئی ———

ممو گئی ———

تو فری آ گئی ———

اور یوں وہ گرتا چلا گیا ———

کئی بار سر راہ گاہے گاہے میڈم سے آمنا سامنا ہوا ———

وہ ہمیشہ بڑے پیار سے اس کا حال پوچھتی۔ جانے احساسِ شرمندگی تھا۔
یا اپنے افشا ہونے کا ڈر ——— وہ دور ہی ہوتا چلا گیا ———

وہ شہرت کی بلندیوں پر تھا ———

اور میڈم ڈھلتی شام ———

اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا ———

میڈم کی حیثیت بالکل ہی ختم ہو کر رہ گئی ———

اس نے لوگوں سے سنا۔ میڈم بڑی تنگی ترشی میں وقت گزار رہی ہے ———

وہ تب بھی اپنی مصروفیت میں گھرا رہا ———

میڈم کی اس نے کوئی مدد نہ کی ــــــــــ
نہ ہی میڈم نے اسے کوئی سندیسہ بھیجا ــــــ
پھر اسے پتہ چلا۔
کہ میڈم سخت بیمار ہے ــــــــــ
اس نے یہ خبر سنی اور اُڑا دی ــــــــ
اب میڈم اسپتال میں تھی ــــــــ
اور اپنی سوانح حیات لکھ رہی تھی ــــــــــ
یہ سوچ کر حسن کو جھرجھری سی آگئی ــــــــــ
میڈم کی سوانح حیات شائع نہیں ہونا چاہیئے ــــــ ورنہ میں
بدنام ہو جاؤں گا ــــــــــ
لوگ مجھ سے نفرت کریں گے ــــــــ
لوگوں کو پتہ چل جائے گا ــــــ
کہ میں کون تھا ــــــ کیا تھا ــــــ
میڈم کی سوانح حیات میرے لیئے تباہی کا پیغام ہے۔
یہ عزت ــــــ یہ مقام ــــــ
نہیں، نہیں ــــــ
یہ سب سوچ کر اس کے ماتھے پہ پسینے کے قطرے چمکنے لگے ــــــ
اور اب ــــــ
ایک بہت بڑے خاندان کی بیٹی سے اس کا بیاہ ہونے والا تھا ــــ
اب کیا ہوگا ــــــ
میں میڈم سے ملوں گا ــــــ

اس ساری جنگ ساری کشمکش سے تنگ آکر اس نے یہی فیصلہ کیا ۔
میں میڈم کو ملوں گا ــــــ
اس سے وہ سوانح حیات خرید لوں گا ــــــ

خان فخرزماں آج کل بہت مصروف تھے ــــــ الیکشن کا زمانہ تھا۔
ان کا زیادہ وقت جلسے جلوسوں میں گزرتا ۔ ان کے حواری سارا
وقت شہر کے مختلف علاقوں میں تقریریں کرتے نظر آتے ــــــ
اور وہ خود قوم کے غم میں پھولوں اور گوٹے کے ہاروں میں لدے کبھی شہر کے
جلسہ میں نظر آتے اور کبھی گاؤں کے لوگوں کو اپنی تقریروں سے متاثر کرتے نظر آتے ۔
آج کل انہیں بالکل وقت نہیں ملتا کہ وہ گھر میں بھی رہ سکیں ۔
آج شام بھی وہ ایک بہت بڑے جلسے سے خطاب کرنے والے تھے۔
اور اس وقت وہ اپنے دفتر میں لوگوں سے گھرے بیٹھے تھے ۔
ان لوگوں میں زیادہ خوشامدی تھے ۔جو فخرزماں کی ہاں میں ہاں ملانے کے
لئے وقف تھے ۔

فخرزماں کا شمار شہر کے مشہور لوگوں میں ہوتا تھا ۔
یتیم خانوں کے لئے چندہ لینا ہو تو ــــــ تو فخرزماں پیش پیش ــــــ کسی

اور فلاحی ادارے کے لئے انہیں مہمان خصوصی بلایا جائے تو وہ ایسی تقریر کرتے
کہ فرشتہ معلوم ہوتے ــــــــ

نیکی کے بہت بڑے ٹھیکیدار تھے وہ ــــــــ

سارے لوگ ان کی بہت عزت کرتے سرکاری درباری قسم کے آدمی
تھے۔ ان کی سفارش کبھی رد نہیں کی جاتی تھی۔

اس لئے لوگ ان کے مدّاح تھے ــــــــ

ان ہی لوگوں کے مجبور کرنے سے وہ اس مرتبہ الیکشن کے لئے امیدوار تھے۔
ان کے پاس بیٹھنے والوں کا کہنا تھا کہ ان کے حریف کو منہ کی کھانی پڑے گی۔
کیونکہ ان کی خدمات کے سلسلے میں سب لوگ ان کے حامی ہیں ــــــــ

لیکن پھر بھی وہ اپنے حریف سے خوفزدہ تھے۔ لوگوں کے کردار کا کیا پتہ کون کہہ
سکتا تھا کہ ان کی نیت کسی وقت بھی بدل جائے ــــــــ انہیں پتہ تھا کہ لوگ
کیا کرتے ہیں ــــــــ

کھاتے کسی کا ہیں اور ووٹ کسی دوسرے کو جا کر دے آتے ہیں۔
اس لئے انہوں نے اپنی تجوریوں کے منہ بھی کھول دیئے تھے۔
غریب محلّے کے رہنے والوں کو گندم کی ایک ایک بوری بھی تقسیم کر چکے تھے۔
اب یہ گندم پر منحصر تھا ــــــــ
کہ وہ ان کے پیٹوں میں جا کر کیا اثر کرتی ہے ــــــــ

کیا پتہ ــــــــ
گندم سفارش کر دے کہ ووٹ مختّر زماں کو دو ــــــــ

اور یہ بھی پتہ نہیں کہہ دے کہ
اس ناقدرے کو ووٹ نہ دینا اس نے میری بے قدری کی کہ غریبوں میں بانٹ دیا۔

میں کوئی ان کے لائق ہوں ـــــــ

یہ معاملہ تو گندم کھانے والوں کی سوچ پر منحصر تھا لیکن فخر زماں کو اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا ـــــــ

لیکن اچانک ـــــــ ایک زلزلہ آگیا۔

قیامت برپا ہو گئی ـــــــ

وہ قیامت تھی ـــــــ

میڈم نوری کا بیان ـــــــ

میڈم نوری اپنی سوانح حیات لکھیں گی۔

فخر زماں کا رنگ پیلا پڑ گیا ـــــــ

اب کیا ہو گا ـــــــ

کم بخت نے سوانح حیات چھپوانے کے لئے کونسا زمانہ منتخب کیا ہے۔

اپنے ایک بے تکلف پرانے دوست طاہر سے انہوں نے ذکر کیا۔

طاہر بھی میڈم سے واقف تھا ـــــــ

بہت ہی فکر مند ہوا ـــــــ کہنے لگا ـــــــ

یہ تو بڑا برا ہوا فخر صاحب ـــــــ

برا تو بہت ہے مگر ہو گا کیا ـــــــ

ہو گا یہ ـــــــ کہ پولنگ میں تین چار دن جب رہ جائیں گے میڈم کی سوانح حیات چھپ کر مارکیٹ میں آجائے گی ـــــــ

لوگ سب کچھ پڑھیں گے ـــــــ اور حقیقت پڑھ کر لوگوں کا ردِ عمل کیا ہو گا۔

یہ آپ جانتے ہیں سارے کرے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔

تم یہ مجھے کیوں سنا رہے ہو ـــــــ کوئی حل سوچو ـــــــ

آپ کو میڈم سے مل کر بات کرنا چاہیے۔
طاہر نے مشورہ دیا ——
میں اس عورت کو جانتا ہوں طاہر وہ نہایت ضدی ہے۔ اپنی بات پر اڑ جاتی ہے۔ وہ کبھی بھی میری بات نہ سنے گی ——
کوئی لالچ ——

طاہر بولا ——
وہ اپنی بات پوری کرے گی
تو پھر وہ سوانح حیات کسی طرح حاصل کر لی جائے۔
طاہر نے کہا ——
ہاں یہ ہو سکتا ہے —— مگر تم آج سے ہی اس کام کے لئے آدمی ڈھونڈو جتنا پیسہ خرچ ہو پرواہ نہ کرنا —— مگر وہ سوانح حیات شائع نہیں ہونا چاہیے۔
فخر پریشانی سے بولے ——
تو میں جا کر کسی سے بات کرتا ہوں ——
طاہر اٹھ کر چلا گیا ——
اور فخر زماں کے سامنے میڈم کا اخباری بیان تھا ——
اس نے ایک ایک لفظ غور سے پڑھا ——
جسم پسینے سے نہا گیا ——
اخبار کے لفظ اس کے سامنے ناچنے لگے اور وہ سارے لفظ تیزی سے گھومتے ہوئے ایک لفظ میں تبدیل ہو گئے۔
اور پھر وہ ایک لفظ —— ایک دھبّہ، ایک نقطہ بن گیا۔
وہ تھی رابعہ ——

ماتھے کو سر سے ڈھکے جھکی جھکی آنکھوں والی رابعہ

جسے آصف اس کے پاس لایا تھا ______

رابعہ سہمی سہمی سی معصوم لڑکی تھی ______

آصف نے اسے بتایا کہ رابعہ اس کے محلے میں رہتی تھی اور سوتیلی ماں کے سلوک سے بہت پریشان تھی اور اب اس کی ماں اسے اپنے بھائی لڑکے سے بیاہنے کا سوچ رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ بھاگ آئی ہے۔

فخر آصف کا دوست تھا ______

فخر دولت مند نہیں تھا اور بڑے لوگوں سے تعلقات بنانے کے لئے پیش پیش رہتا ______ لوگوں کو گھر بلا کر ان سے کام لینا اسے خوب آتا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ لوگوں سے کام کیسے لئے جاتے ہیں آصف کو وہ خوش کر دیا کرتا اس لئے آصف کی اس سے دوستی تھی۔

کچھ عرصہ کی محنت نے فخر کو بہت کچھ دیا تھا اب اس کے پاس نئے ماڈل کی کار بھی تھی۔ کرائے پر حاصل کیا ہوا ایک عالیشان بنگلہ بھی تھا۔ اس بنگلے میں اس کے بیوی بچے نہیں رہتے تھے وہ خود رہتا تھا۔

اس کے بیوی اور بچے اندرون شہر کے ایک تنگ و تاریک گھر میں رہتے تھے۔

البتہ آج کل وہ ایک بہت بڑے پلاٹ پر نظر میں جمائے بیٹھا تھا وہ پلاٹ صمد قصائی خان کا تھا جسے ہتھیانے کے لئے وہ پلان بنا رہا تھا ______ اس کا خیال تھا کہ اس پلاٹ پر خوبصورت کوٹھی بنا کر اپنے بیوی بچوں کو یہاں لے آئے گا۔

ان ہی دنوں آصف رابعہ کو لے آیا ______

رابعہ دکھوں سے گھبرائی ہوئی کچھ یوں آصف کے ساتھ آجانے سے سہمی سہمی تھی ______

وہ سہمی سہمی کرسی پہ بیٹھی تھی اور بالکل سنگِ مرمر کا مجسمہ معلوم ہو رہی تھی۔
آنکھیں بڑی اور سیاہ تھیں۔ قد لمبا اور جسم نہایت خوبصورت تھا ــــ
اچھا تو آپ کا نام رابعہ ہے ــــ
فخر مسکرا کر بولا ــــ
جی ــــ
ایک ہی نظر میں فخر نے اندازہ لگا لیا کہ رابعہ پھول کی طرح شگفتہ اور اس کی خوشبو سے زیادہ نازک اور لطیف ہے۔ اس میں رنگینی اور رعنائی ہے۔ رابعہ واقعی سورج کی جگمگاتی کرن اور چاند کا ٹھنڈا اُجالا ہے۔
رابعہ کی وجہ سے وہ مالا مال ہو سکتا ہے ــــ
وہ یہ بھی جان گیا ــــ
کہ اس وقت اس کے گال بے رونق اور پژمُردہ ہیں ــــ اس کی پرکشش آنکھوں میں تیکھی سی مسکراہٹ نہیں ہے بلکہ ڈر ہے ــــ خوف ہے ــــ
کیا بات ہے آصف ــــ
فخر نے سنجیدگی سے آصف سے پوچھا ــــ جو خاموشی سے فخر کی نظروں کا جائزہ لے رہا تھا کہ اسے رابعہ کی کتنی قیمت لگانی چاہیئے۔
یہ بے چاری بہت مظلوم ہے ــــ میں نے انہیں بہن کہا ہے ــــ اور اسی وجہ سے ان پر جو ظلم ہو رہا تھا اس سے بچا کر یہاں لے آیا ہوں ــــ
ہوں ــــ فخر بولا
آپ ان کو کسی کام پر لگا دیں ــــ
آصف لجاجت سے بولا ــــ
دیکھتا ہوں ــــ یہ کیا کام کر سکتی ہیں ــــ

تو میں تسلّی رکھوں ــــــــ

آصف نے کہا ــــــــ

ہاں بھئی ــــــ تم میرے دوست ہو ــــــ تمہاری خاطر یہ کام کرنا بہت ضروری ہے۔

بہت مہربانی ــــــــ

تو پھر میں جاؤں ــــــــ

آصف بولا ــــــــ

رابعہ ایک دم گھبرا گئی ــــــ کہنے لگی ــــــ

تم کہاں جا رہے ہو بھیا ــــــــ

میں واپس نور نگر جاؤں گا میری غیر حاضری سے کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔

میں بھی واپس جاؤں گی ــــــــ

رابعہ کی آنکھیں بھیگ گئیں ــــــــ

لو ــــــ وہاں کیوں واپس جاؤ گی ــــــ کس مشکل سے تمہیں لایا ہوں ــــــ

میں واپس جاؤں گی ــــــــ

رابعہ بولی ــــــــ

یہ سوچ لو کہ تمہاری سوتیلی ماں تمہیں نورے کے حوالے کر دے گی اور وہ مار مار کر تمہاری چمڑی ادھیڑ دے گا ــــــــ

میرے ابا ایسا نہیں کرنے دیں گے ــــــــ

رابعہ بولی ــــــــ

تمہارے ابا کا زور چلتا تو وہ اپنی نہ منوا لیتے۔

پاگل نہ بنو ——— وہاں جانے کا خیال چھوڑ دو ———

ذرا حالات سازگار ہو جائیں گے تو میں تمہارے ابا کو یہاں لے آؤں گا ———

تم ابا کو لے آؤ گے بھیا ———

رابعہ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے بولی ———

کہہ جو رہا ہوں ——— جلد ہی لے آؤں گا۔ تم بے فکر ہو کر یہاں رہو۔ فخر صاحب میرے دوست ہیں۔ وہ تمہارا ہر طرح خیال رکھیں گے ———

مگر ——— مگر ——— تم کب آؤ گے بھیا۔

رابعہ پریشان سی بولی ———

میں بس پندرہ بیس روز بعد آؤں گا ———

رابعہ کے آنسو بہہ نکلے ———

اور آصف اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر تسلی دیتا ہوا باہر نکل گیا۔

اس کے جانے کے بعد فخر نے نوکر کو بلایا اور کہنے لگا ———

اوپر والا کمرہ رابعہ کو دیدو ——— اور ان کا ہر طرح خیال رکھنا۔ جاؤ

رابعہ ———

رابعہ سہمی سہمی سی ملازم کے ساتھ اوپر چلی گئی۔ اور فخر نے آصف کو دوبارہ کمرے میں بلا لیا جو باہر کے کمرے میں بیٹھا تھا ———

ہوں ——— کہو ——— کیا چاہتے ہو ———

فخر سگریٹ سلگاتے ہوئے بولا ———

بڑی محنت کی ہے میں نے۔ دو مہینے سے شیشے میں اتار رہا تھا ———

مطلب کی بات کرو ———

فخر بولا ———

دیکھ لو ــــ لڑکی خوبصورت ہے جوان ہے۔

میں نے دیکھ لیا ہے ــــ تم اپنی بات کرو کیا لو گے۔

دس ہزار مل جائیں گے ــــ

آصف مسکرا کر بولا ــــ

پانچ لے جاؤ ــــ

بات بنی نہیں ــــ

سوچ لو ــــ

میرے خیال میں تم رابعہ کو نیچے بھیج دو ــــ میں اپنی محنت کہیں اور سے وصول کر لوں گا ــــ

فخر نے سیف کھول کر آٹھ ہزار روپے گن کر آصف کو دیئے اور بولا ــــ

اب تم جاؤ ــــ

آصف نے روپے گنے اور بولا ــــ اچھا فخر ــــ کبھی تمہاری بھی اننی پڑ جاتی ہے ــــ عیش کرو ــــ

فخر مسکرا دیا ــــ

میرا پوچھے تو ٹال دینا ــــ

میں خوب جانتا ہوں ــــ

فخر بولا ــــ

آصف ہنسا اور جھک کر سلام کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

اور فخر سوچنے لگا کہ رابعہ کو کیسے ڈھب پہ لایا جائے۔

چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں اتر کر وہ لاس میں نہائے سرسبز لان میں اتر آئی۔ تلوؤں پر گھاس کی نمی نے عجیب سی ٹھنڈک اور راحت دی اور وہ ذہن جو جل رہا تھا۔ اب تک جل رہا تھا۔ کچھ پرسکون ہوا۔

آج اس گھر میں آئے ہوئے پورے آٹھ دن ہو گئے تھے۔ ان آٹھ دنوں میں اس نے فخر اور ایک نوکر کے علاوہ ایک خوبصورت سی عورت سی عورت دیکھی جو زیادہ تر باہر رہتی۔ پتہ نہیں کب آتی اور کب چلی جاتی ______

اب تک اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ عورت فخر کی بیوی ہے یا بہن ______

اس کے معصوم ذہن میں اب تک یہی بات آئی ______

فخر اس سے کئی بار ملا اچھی اچھی تسلی کی باتیں کرتا رہا۔

نوکر اس کے آرام کا خیال رکھتا ______

اور بس ______

فخر کا کہنا تھا کہ وہ ابھی کچھ دن اپنے ذہنی سکون کو بحال رکھے۔

لیکن فخر کو کیا علم کہ وہ تو ہر لمحے جل رہی تھی۔ ایک پچھتاوا دن رات اس سے چمٹا ہوا تھا کہ اس نے نکل کر سخت غلطی کی ہے۔

بہرحال فخر اس کی نظر میں ایک اچھا آدمی تھا ـــــــ

اس نے سر اٹھا کر دیکھا سورج خاصا اوپر آچکا تھا۔ لیکن چنار کے بڑے بڑے پتے اس کی راہ میں حائل تھے۔ پھر بھی کہیں سے کوئی کرن جھانک کر شبنم کے قطرے کا منہ چومتی تو ایسا محسوس ہوتا کہ وہ قطرہ موتی بن گیا ہے۔

اچانک ہی سر پھیر کر اس نے بنگلے کی طرف دیکھا۔

اس نے دیکھا وہی خوبصورت عورت شب خوابی کا لباس پہنے اس کی طرف آرہی ہے۔

آداب ـــــــ

اسے قریب دیکھ کر وہ بوکھلا گئی۔

تمہیں اس طرف دیکھا تو چلی آئی۔ حالانکہ کئی دن سے سوچ رہی تھی کہ تم سے ملوں ـــــــ

وہ عورت مسکرا کر بولی ـــــــ

میں بس آپ کو دیکھ کر رہ جاتی تھی۔

رابعہ مسکرائی ـــــــ

مصروفیت بہت زیادہ تھی نا ـــــــ

وہ عورت بڑی اپنائیت سے اس کے پاس ہی چبوترے پر بیٹھ گئی ـــــــ

تم خوش تو ہو نا ـــــــ

وہ رابعہ کے مرجھائے چہرے کی طرف دیکھ کر بولی ـــــــ

جی ـــــــ

میرا مطلب ہے یہ گھر تمہیں رہنے کے لئے پسند ہے نا ـــــــــــ

جی ـــــ آپ کا گھر بہت خوبصورت ہے ۔

رابعہ آہستہ سے بولی ـــــــ

یہ میرا گھر نہیں ہے ـــــ عورت ہنسنے لگی ۔ یہ لان ۔ یہ درخت ۔ یہ پودے ۔ اس گھر کی کوئی چیز میری نہیں ۔ جیسے یہ سب کچھ تمہارے لئے اجنبی ہیں ۔ میرے لئے بھی اجنبی ہیں ۔ مجھے تو اب تک یہ بھی پتہ نہیں کہ اس گھر میں کتنے کمرے ہیں اس کی کھڑکیاں کس طرف کھلتی ہیں ـــــــ اور تازہ ہوا کے جھونکے کہاں سے آتے ہیں ۔ وہ ہنستی ہوئی کہہ رہی تھی ۔

اور رابعہ اس کی بے ربط سی باتیں سُنکر مزید پریشان ہو گئی ۔

تم سوچتی ہو گی کہ یہاں کچھ بھی میرا نہیں تو پھر میں یہاں کیوں ہوں ۔ رابعہ کی حیرت میں ڈوبی ہوئی آنکھیں اس پر لگی تھیں ۔

میرا نام عشرت ہے ۔

اس نے سر اُٹھا کر نیم وا آنکھوں سے رابعہ کی طرف دیکھا ـــــــ خادم اس طرف آ رہا تھا ۔

وہ بیزاری سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور تھکے تھکے قدموں سے اندر کی طرف چلی ۔ اس کی چال صاف بتا رہی تھی کہ اس کے پاؤں اس کے ذہن کا بوجھ بالکل نہیں اٹھا رہے تھے ۔

وہ تو چلی گئی ـــــــ

لیکن رابعہ کے لئے یہ الجھن چھوڑ گئی ـــــــ

وہ پریشانی سے اپنے کمرے میں آئی ـــــ اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی

میں کہاں ہوں ـــــــ

میں کہاں آگئی ———

یا اللہ تو میری عزت رکھنا ———

ابھی وہ ان بھول بھلیوں میں پھنسی ہوئی تھی کہ وہ پھر آگئی تم سے باتیں کرنا چاہ رہی تھی لیکن فون آگیا۔

جی ——— مگر ———

رابعہ نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے وہ سراپا التجا ہو چہرے کی چمک ماند ماند سی تھی اور آنکھوں میں خوف ہی خوف تھا۔

عشرت نے آرام کرسی میں دھنس کر سگریٹ سلگایا اور اس کا کش لے کر بولی ———

تمہیں آئے تقریباً ہفتہ ہوگیا اور اس دوران میں روز ہی تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی مگر فخر نے موقعہ ہی نہ دیا ——— آج وہ شہر سے باہر گیا ہے۔ اس لیئے بے فکر ہو کر تمہارے پاس آگئی ہوں۔

رابعہ اب بھی بے بسی سے اس کا منہ تکے جا رہی تھی۔

میں نے تمہیں بتایا تھا نا میرا نام عشرت ہے اور میں فخر کی نام نہاد قسم کی سکریٹری ہوں ———

مگر ———

رابعہ کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔

میں پہلے فخر کی محبوبہ تھی ——— اس سے شادی کرنے کا خواب آنکھوں میں سجائے۔ ایک بہت بڑے خاندان کے بہت اونچی ناک والے باپ کا فخر مٹی میں ملا کر فخر کے ساتھ آگئی ——— اور اب یہاں صرف سکریٹری ہوں ———

اوہ ———

رابعہ تڑپ اٹھی ـــــ

کیا ہوا ـــــ

عشرت کے گالوں پر حرارت کی ایک ایسی لہر سی ابھری، پیشانی پر بل سا پڑا اور آنکھیں چمک اٹھیں۔ البتہ ہونٹوں پر ایک طنزیہ سی مسکراہٹ بدستور قائم تھی۔

تمہیں یقیناً تڑپنا چاہئے ـــــ میں بھی اسی طرح تڑپتی تھی ـــــ میں نے بغاوت کی ـــــ جس کی سزا کے نشان اب تک میرے جسم پر موجود ہیں۔ میں نے مرنا چاہا لیکن موت نے بھی مجھے پناہ نہ دی ـــــ اور پھر ـــــ اس اونچے ناک والے باپ کی بیٹی مر گئی اور آج جو عشرت تمہارے سامنے ہے۔ وہ ـــــ بس حالات کی غلام ہے ـــــ

اب میں فخر کے اشاروں پر ناچتی ہوں۔ لاش ہوں نا ـــــ میری اپنی کوئی خواہش نہیں ـــــ میرے پاس کوئی جذبہ نہیں ـــــ کوئی احساس نہیں۔

میں یہاں نہیں رہوں گی۔

رابعہ ایک دم کھڑی ہو گئی۔

جس آدمی کے جال میں تم آ پھنسی ہو۔ وہ تمہیں قبر سے بھی نکال لائے گا۔

تم اب کہیں نہیں جا سکو گی ـــــ

میں اپنے گھر جاؤں گی ـــــ

رابعہ رو کر بولی ـــــ

کون سے گھر ـــــ جہاں سے تم بھی میری طرح باپ کی عزت پاؤں تلے روند کر آ گئی ہو ـــــ

میں ابا کے پاؤں پر گر کر معافی مانگ لوں گی ــــــ

رابعہ نے کہا ــــــ

وہاں اب کوئی نہیں ہے ــــــ

عشرت اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر بولی ــــــ

کیا ــــــ

رابعہ کی آنکھیں پھیل گئیں ــــــ

تمہارے ابا نے موٹر کے نیچے آ کر جان دے دی ہے ۔

عشرت آہستہ سے بولی ــــــ

نہیں ــــــ نہیں ــــــ رابعہ چیخی ــــــ

یہ جھوٹ ہے ــــــ

یہ جھوٹ نہیں رابعہ ــــــ آصف نے ابھی ابھی فون پر مجھے اطلاع دی ہے اور کہا ہے کہ تمہاری سوتیلی ماں اور نورا تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں ۔

رابعہ کا چہرہ سفید پڑ گیا ــــــ اور وہ گرنے کو تھی کہ عشرت نے اسے تھام لیا۔ اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر بڑے پیار سے بولی ۔

مجھے تمہارے صدمے کا اندازہ ہے رابعہ۔ مگر صبر کرو۔ میری بہن کہیں آنے جانے کا خیال ترک کر دو۔ یہاں رہ کر پھر تم محفوظ ہو ــــــ یہاں سے باہر نکلیں تو یہ سوچ لو کہ ساری دنیا بھوکی ہے ــــــ لوگ تمہاری طرف جھپٹ پڑیں گے۔

میں اپنی جان دے دوں گی ۔

رابعہ کے آنسو ابل ابل کر بہہ رہے تھے ــــــ

مجھے تمہارے ساتھ ہمدردی ہے ۔ لیکن رابو جب انسان پرائے بس میں ہو تو کبھی کبھی اپنی خواہشات کا گلا اپنے ہاتھوں ہی مروڑنا پڑتا ہے ۔ میں تمہیں بہت

اچھا مشورہ دوں گی۔ آنکھیں بند کر کے میرے ساتھ رہو ــــــــ

عشرت اس کا سر گود میں رکھے ہوئے تسلیاں دیتی رہی اور اسے ابا کا چہرہ یاد آتا تو کلیجہ کٹنے لگا۔

عشرت نے چند دنوں میں ہی اسے اپنے ساتھ مانوس کر لیا۔ فخر بھی مطمئن تھا ــــــــ

عشرت رابعہ کے لئے نئے نئے کپڑے لے آئی۔ نت نئی چیزیں ان کا استعمال ــــــــ بالوں کے نئے انداز ــــــــ

کئی دن سے وہ عشرت کے ساتھ تھی ــــــــ مگر ابھی تک کوئی ایسی بات نہ ہوئی تھی کہ وہ گھبرا اٹھتی یا ہوتی ــــــــ

آہستہ آہستہ اسے یہ ہنگامے رونقیں اچھی لگنے لگیں۔ ہلکے جامنی رنگ کی ساڑھی پہنے وہ عشرت کے ساتھ ایک ہوٹل میں کافی پی رہی تھی۔

عشرت کا ایک جاننے والا مل گیا۔ وہ بھی ان کے پاس آ بیٹھا ــــ

عشرت باتیں بہت کچھ دار کرتی تھی اس کے پاس ایک ہی فن تھا۔ کہ وہ دوسرے کی شخصیت اس کے ماحول کا اندازہ ایک منٹ میں لگا لیتی اور پھر اس کی باتیں۔ آنکھوں میں ہلکا ہلکا نشہ۔ باتوں کا انداز ایک منٹ میں دوسروں کو اس کا گرویدہ بنا لیتا ــــــــ

اس وقت جو شخص ان کے قریب آ کر بیٹھا تھا اس کا نام سلیم تھا ــــــــ

عشرت کا کہنا تھا کہ سلیم بھی باتیں خوبصورت کرتا ہے اور اس کی یہی ادا عشرت کو بھا گئی ہے ــــــــ

بات محبت پر چل نکلی ــــــــ

سلیم کہنے لگا ———

میں سمجھتا ہوں محبت ایک بخار ہے جو زندگی میں کئی بار چڑھتا اور اترتا ہے اس لیے زندگی میں محبت کو زیادہ اہمیت نہیں دینی چاہیے۔

اور میں سمجھتی ہوں کہ محبت ایک آسمانی بجلی ہے جو اندھیرے بادلوں سے اترتی ہے اور دل کے آشیانے کو ہمیشہ کے لئے جلا کر خاک کر دیتی ہے اس لئے محبت اس سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ جتنی ہم اسے زندگی میں دیتے ہیں ———

عشرت نے سلیم کی دلیل کا جواب قدرے غصے سے دیا ———

آپ کی سہیلی کی قوتِ گویائی تو ٹھیک ہے نا ———

سلیم رابعہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

قوتِ گویائی سے ان کی نظر زیادہ ٹھیک ہے۔

سلیم ہنس دیا ——— کہنے لگا ———

کافی بناؤں ———

میں بناؤں ———

رابعہ نے پیالی اٹھا کر اپنی طرف رکھی ———

نا نا نا ——— آپ کی انگلیوں کو بھاپ لگ گئی یا کافی کے چھینٹے آپ کی ساڑھی کو داغ لگا گئے تو آپ جانتی ہیں۔ داغ کسی طرح کا ہو۔ رخسار کے تل کے سوا لڑکیوں کے لئے اچھا نہیں ہوتا ———

عشرت مسکرا کر پیالے میں کافی چینی اور تھوڑا سا دودھ ملا کر پھینٹنے لگی۔

سلیم نے کپ میں پانی ملایا ———

آپ نے انعام ضرور حاصل کرنا تھا۔ اتنی اچھی کافی بنا رہی تھی ———

کافی بنانا لڑکیوں کے بس کی بات نہیں ——

توکیا آپ شادی شدہ ہیں۔

عشرت بولی۔

نہیں تو ——

سلیم نے پیالیوں میں کریم ڈال کر کہا۔

توکیا آپ بیوہ —— میرا مطلب ہے رنڈوے ہیں۔

اوں۔ہوں ——

وہ رابعہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

پھر آپ کیا ہیں ——

میں کافی کا لبالب پیالہ ہوں جس پہ جھاگ کا ننھا سا سمندر بن گیا ہے۔
اور خود دعوت دے رہا ہے کہ اپنے ہونٹ اس کے کناروں پہ رکھ دوں۔

عشرت ہنس دی ——

کہنے لگی ——

میں نے سنا ہے آپ بیمہ ایجنٹ ہیں اور قائل میں اب ہوئی ہوں کہ آپ
کے ہاتھ آیا ہوا شکار آپ کی باتوں کے سنہرے جال سے کبھی نکل تو نہ سکا ہوگا۔

اگر شکار خود سنہرا ہو تو وہ جال کو بھی اپنے ساتھ لے بھاگتا ہے۔ ویسے
میں بیمہ ایجنٹ نہیں ہوں —— سلیم ہنسا ——

ویسے میں حیران ہوں آپ کو اکثر نت نئی لڑکیوں کے ساتھ دیکھتی ہوں۔
اور سوچتی ہوں کہ ماڈرنٹی کے اس دور میں آپ نے محبت کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔

میں نے غلط نہیں کہا —— سلیم بولا ——

اس کا ثبوت ——

ثبوت میں سینکڑوں مثالیں دے سکتا ہوں۔

لیکن ——— آپ یوں نہ بیٹھیے۔ میں قدرت کے مقابلے میں بہت کمزور واقع ہوا ہوں۔

وہ اس کے سینے کے کھلے بٹن کی طرف دیکھ کر ہنسا۔

باتیں بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔ شاعری کیوں نہیں کرتے۔

عشرت نے گھبرا کر بٹن بند کر لیا ———

رابعہ بھی ہنس دی ———

آپ کی سہیلی ہنستی بھی ہیں ———

سلیم بولا ———

رابعہ اور عشرت دونوں ہنس دیں۔

اور یوں ———

رابعہ ایسے لوگوں کی مہربانی سے اپنی شرم اور جھجک بھول کر ان کی باتوں میں حصّہ لینا سیکھ گئی۔

فضا کی سسکیوں میں بازگشت تھی۔

وہ رو رہی تھی ـــــــــــ

شاید آخری بار ـــــــــــ

اس کے بعد شاید وہ رونا چاہے گی تو نہیں رو سکے گی ۔ روح کی اذیت کوشش بھی کتنی کربناک ہوتی ۔

دل کی دیواریں اندر ہی اندر منہدم ہو گئی تھیں اور دل و دماغ پچھتاوے کی بھیانک آگ میں جل رہے تھے ۔ اسے کیا پتہ تھا کہ وہ جسے ہمدرد سمجھ رہی ہے وہ ہمدرد نہیں ہے ـــــــــــ

رات عشرت اسے بہلا پھسلا کر عشرت کلب لے گئی تھی ـــــ وہاں فخر بھی تھا ـــــــــــ

اور پھر فخر نے اور عشرت نے ایک بہت بڑے سرکاری افسر کے ساتھ بھیج دیا ۔

وہ چپ چاپ اس کے ساتھ چلی گئی۔
اور جب فخر اسے واپس لینے آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔
جس پر سرکاری افسر نے دستخط کر دیئے تھے۔
فخر خوشی سے اچھل پڑا ــــــ
تم نے بہت بڑا کام کیا ہے رابو ــــــ
اور وہ خاموش ضبط کی تصویر بنے اپنے کمرے میں چلی آئی ــــــ
فائل فخر کے لئے خوشی کا باعث تھی۔
اور وہ وہاں سے ذہنی انتشار۔ روح کا کرب لے کر آئی تھی۔
خوبصورت خواب ٹوٹ گئے تھے۔
وہ خوبصورت تصویر ــــــ وہ چھوٹی سی پیاری سی دنیا ملبے کا ڈھیر بن چکی تھی ــــــ
انو ــــــ
انور ــــــ
انو ــــــ
میں نے تمہارے خواب دیکھے تھے ــــــ
تم کہاں ہو ــــــ
میں لٹ گئی ہوں ــــــ بک گئی ہوں ــــــ کیا میں مر جاؤں۔
کیا میں خودکشی کر لوں ــــــ
وہ بستر پر گر کر زار و قطار رونے لگی ــــــ
لمبی لمبی سسکیوں ــــــ دلخراش چیخیں بند کمرے کی دیوار سے دیوانہ وار ٹکرا رہی تھیں۔ آنسوؤں کا نہ تھمنے والا سیلاب تھا اور ایک بھیانک سناٹا۔

آج ایک طوفان ہی تو آیا تھا ــــــــ

اور اس کا وجود نرم و نازک پودے کی طرح سر جھکائے خستہ حال ہو چکا تھا۔
نوکر دروازے پر دستک دے کر واپس چلا گیا تھا۔

ساری رات وہ یونہی پڑی رہی ــــــــ

اور ــــــــ

پھر اسے انو یاد آ گیا ــــــــ

صرف ایک بار آنکھوں آنکھوں میں اس نے پیغام دیا تھا۔ پتہ نہیں اس کے چہرے پر کیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کیا تھا۔

مگر ــــــــ حالات اس وقت بھی دشمن تھے۔

میں لوروں سے بچ کر یہاں آئی تھی۔

مگر مجھے کیا پتہ تھا ــــــــ

یہاں بہت سارے لورے ہیں۔ کوئی سوٹ پہنتا ہے اور کوئی پھٹے کپڑے۔ مگر ذہنیت سب کی ایک جیسی ہے۔

سب لورے ہیں ــــــــ

سب لوٹ کھسوٹ کرنا چاہتے ہیں۔ سارے وحشی ہیں۔ صرف ان کے انداز نئے ہیں۔ ڈھنگ اور طور نئے ہیں۔

ساری رات اس کے ذہن میں تیز ہواؤں کے جھکڑ چلتے رہے۔

اور وہ پتے کی طرح ڈولتی رہی ــــــــ

صبح ہو گئی ــــــــ

جانے کب وہ ایسے حالات میں سو گئی ــــــــ

جیسے آنکھ کھلی تو سر چکرا رہا تھا۔ اس نے قریب پڑی ہوئی کرسی کا سہارا لیا۔

اور اس پر بیٹھ گئی۔ اس وقت ہوش آیا جب عشرت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

ابھی تک سو رہی ہو ـــــــ

رابعہ نے لال لال آنکھوں سے اس کی طرف گھور کر دیکھا۔

وہ لاپرواہ سی بن گئی ـــــــ

اٹھو نا اب ـــــــ

عشرت اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

پھر کہیں بات کر آئی ہو میری ـــــــ

رابعہ تیز ہو کر بولی ـــــــ

عشرت ہنس دی ـــــــ کہنے لگی ـــــــ

یہ تو کوئی خاص بات نہیں ـــــــ

کہاں چھوڑ کے آ گئی اب مجھے ـــــــ کون خریدار ہے میرا ـــــــ

رابعہ اس کے کندھے جھنجھوڑ کر زور سے بولی ـــــــ

خریدار کے بارے میں نہیں پوچھا کرتے ـــــــ

عشرت نے مسکرا کر اپنے کندھے چھڑا لیے ـــــــ

کہنے لگی ـــــــ

خریدار کوئی بھی ہو ـــــــ تمہیں اور مجھے کیا ـــــــ ہمیں تو نخر کے اشاروں پر چلنا ہے ـــــــ

تم بھی تو نخری ہو ـــــــ تم میرے ساتھ ڈرامے کرتی رہیں۔ ڈھونگ رچاتی رہیں ـــــــ میری چھوٹی بہن بنتی رہیں۔ کیا اس لئے ـــــــ

رابعہ دیوانوں کی طرح اس کی طرف لپکی۔

یہ جو کچھ تم کر رہی ہو ـــــــ تمہاری دیوانگی ہے عقلمندی نہیں۔
تم کٹی پتنگ ہو رابعہ ـــــــ اگر عزت کا اتنا خیال تھا تو گھر سے قدم باہر نہیں نکالنا چاہئے تھا ـــــــ
اب تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ ان حالات سے سمجھوتہ کر لو۔
میں مرجانا پسند کروں گی۔ لیکن ان حالات سے سمجھوتہ نہیں کروں گی۔
رابعہ چیخ کر بولی ـــــــ
تمہاری مرضی ـــــــ مرجاؤ پھر۔ کوئی نہیں روکے گا۔
عشرت اٹھ کر کھڑکی میں کھڑی ہو گئی ـــــــ
رابعہ خاموش بیٹھی تھی ـــــــ
پاگل نہ بنو رابعہ ـــــــ دنیا بڑی حسین ہے ـــــــ یہاں رہ کر تم اپنا مستقبل بنا سکتی ہو ـــــــ زندگی انجوائے کرو ـــــــ مجھے دیکھو ـــــــ میں نے اپنی زندگی بنالی ہے۔ میرے پاس بہت سارا روپیہ ہے ـــــــ اور کچھ عرصہ بعد جب میں یہاں سے کسی دوسرے شہر جاؤں گی تو وہاں پر امیر ترین عورت ہوں گی ـــــــ جب چاہوں گی شادی کر لوں گی۔ لیکن میں شادی بڑھاپے میں کروں گی ـــــــ
اس وقت لوگوں کو بیوقوف بناؤں گی ـــــــ
ایمان سے بڑا مزہ آتا ہے ـــــــ
رابعہ نیم بے ہوش سی اس کی باتیں سن رہی تھی کہ فخر آگیا ـــــــ
رابعہ ـــــــ
فخر بھاری آواز میں بولا ـــــــ
رابعہ کچھ نہ بولی ـــــــ

اٹھو تیار ہو جاؤ ــــــ تمہیں رات ایک پارٹی اٹینڈ کرنی ہے۔ وہاں پر نیر دی کا ایک تاجر آئے گا۔ اس سے مجھے یہاں کے لئے ایجنسی لینا ہے۔ اور تم اسے راضی کر دو گی۔

رابعہ خاموش رہی ــــــ

عشرت ــــــ یہ میری بات کا جواب نہیں دے رہی تم اسے بتا دو کہ یہ نخرے یہاں نہیں چلیں گے ــــــ اور یہ بھی بتا دو کہ میں کس قسم کا آدمی ہوں۔ میرا کہا مانتی رہے گی تو ساری زندگی عیش کرے گی اور اگر میرے حکم سے انکار کیا تو اسے یہ بھی بتا دو کہ میں حکم منوانا بھی جانتا ہوں۔

نہیں نہیں فخر ایسی بات نہیں تم جاؤ میں سب ٹھیک کر لوں گی۔

عشرت نے فخر سے کہا اور وہ کھا جانے والی نظروں سے رابعہ کو دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

رابعہ اب تک خاموش بیٹھی تھی۔

غم کی شدت سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں۔ اور چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی ــــــ

رابعہ اٹھو۔ منہ ہاتھ دھو کر کچھ کھا پی لو ــــــ کل سے تم نے کچھ نہیں کھایا۔ عشرت اس کے سر پر پیار سے تھپکی دیتے ہوئے بولی۔

اور ــــــ

موتی جیسے چمکتے آنسو اس کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر بہنے لگے۔

کچھ تو نہ کرلو رابعہ ــــــ

عشرت بولی ــــــ

رابعہ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا اور اس کی دردناک سی

سسکیاں فضا میں بکھرنے لگیں۔
اپنی زندگی کے بکھرے اجالوں کو گلے لگاکر حالات کے اندھیروں کو ہمیشہ
کے لیے ختم کر دو رابعہ ——
عشرت نے کہا ——
نہیں نہیں —— یہ اندھیرے اب دور نہیں ہوں گے۔ یہ سائے تو
اور گہرے ہو جائیں گے۔ تاریکیاں اور بڑھ جائیں گی۔ ڈوب جانے دو
مجھے ان میں ——
رابعہ تڑپ کر بولی ——
تم نادان ہو رابعہ —— میں بھی تم جیسی تھی —— میں نے بھی
یونہی ماتم کیا تھا —— مجھے لگتا تھا کہ میں یہ غم برداشت نہ کر سکوں گی۔
مر جاؤں گی —— مگر ——
مجھے تمہاری کسی بات پر یقین نہیں ——
رابعہ درمیان میں بول اٹھی ——
تمہارا شک بجا ہے —— مگر میں تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ تمہارا یہ
رونا دھونا کسی پر کوئی اثر نہ کرے گا۔ تم یہاں سے نکل نہیں سکتیں۔ تم مرجانا چاہو تو
مر بھی نہیں سکتیں —— اس لیے بہتر یہی ہے کہ ان حالات کو اپنالو۔——
رابعہ نے کھوئی ہوئی نظروں سے عشرت کی طرف دیکھا۔
جو سگریٹ سلگا رہی تھی۔ لمبا کش لے کر اس نے دھواں فضا میں
پھیلا دیا۔ اور بولی ——
اٹھو میری اچھی گڑیا ——
اور پھر آنسوؤں کی جھڑی سی لگ گئی۔ وہ روتی رہی اور عشرت اسے

تسلیاں دیتی رہی ۔

تب وہ نڈھال ہو کر شاخ سے ٹوٹے ہوئے پھول کی طرح عشرت کی باہوں میں گر پڑی ۔

اور پھر رابعہ ـــــــــــ

وہ جگ مگ کرتی ہوئی راتوں جھلملاتی روشنیوں اور مدھم مدھم تاریکیوں میں کھو گئی ۔

شور و غل چیخ و پکار ۔ ہنگامے ، طرح طرح کے لوگ ۔ نئے نئے پلان ۔ کبھی فخر کسی سینما پلاٹ کے لئے اسے کہیں بھجواتا ۔ کبھی افسروں کو خوش کرنے کے لئے ۔

رنگ و نور میں بدتمیزیوں کا طوفان اٹھتا ـــــــ

اور وہ ـــــــــ

اس بھیانک آگ ، بلند ہوتے ہوئے شعلوں میں اپنے سپنوں کو دفن کرتی ہوئی جل رہی تھی ۔

اکثر وہ ہاتھ پر بنی ہوئی لکیروں کو گھورتی رہتی ۔

۰ آرزوؤں کا دھواں پھیلتا گیا ـــــــــــ

سپنے راکھ ہوتے گئے ۔

چھوٹی اور بناوٹی محبتوں کے سائے تلے، بجھے بجھے سہمے سہمے دل کے ساتھ وہ لوگوں کا ساتھ دیتی رہی ۔

زندگی میں کوئی تُک نہ تھی ـــــ کوئی ڈھنگ نہیں تھا ۔

کہاں چلوں ـــــ کہاں رکوں ـــــ مرکز کونسا ہے ـــــ اسٹیشن کدھر ہے ۔ پلیٹ فارم کونسا ہے ۔

اسے کچھ سمجھ نہ آتا ـــــــ

بس بے نیازی کی ایک تصویر بنی وہ چلی جا رہی تھی ۔

فخر کو اس کی وجہ سے بہت بڑے بڑے فائدے ہوتے تھے ۔ یہ اسے بعد میں پتہ چلا کہ عشرت فخر کے کاروبار میں برابر کی شریک تھی ۔

یہ بھی پتہ چلا کہ آصف جو اسے بہن بنا کر لایا تھا ۔ اسی طرح گاؤں گاؤں شہر شہر مختلف ناموں سے گھومتا ہے ۔ کہیں مکان کرائے پر لے لیتا ہے کہیں بھائی بنتا ہے ۔ کہیں محبوب، اور کہیں شوہر ۔

اور زمانے کی ٹھکرائی ہوئی لڑکیاں اس کے ہاتھوں ہوتی ہوئی کوٹھے کی زینت بن جاتی ہیں ۔ یا کہیں ایسے ماڈرن کوٹھوں کے کھلونا بنی ہوئی اپنے آپ کو بھول چکی ہیں ۔

عشرت کا کہنا تھا کہ رابعہ خوش نصیب ہے کہ یہاں پہنچ گئی ـــــ یہاں اس کی پھر عزت ہوتی ہے ـــــ اگر وہ کوٹھے پر چلی جاتی تو جانے آج کیا حالت ہوتی ۔

مگر اس نے یہ اب سوچا تھا ـــــ

کہ کوٹھے اور کوٹھیوں میں کوئی فرق نہیں ۔ بلکہ اس کی نظر میں دکان میں اگر

بٹیھنا ان کوٹھیوں میں روپے بدل کر دعوت کا دینے سے زیادہ بہتر ہے۔
اب تو احساس مر چکا تھا کہ وہ رابعہ ہے ـــــ وہ اپنے ابا کی رابعہ ہے۔
اس نے اپنا نام بھی بدل دیا تھا ـــــ
اس نے اپنا نام ـــــ
کٹی رکھ لیا تھا ـــــ
فخر آج کل بہت خوش تھا۔ اس کی کوٹھی بن رہی تھی اور ایک میمن سیٹھ نے
اسے رابعہ کٹی کی بدولت نئے ماڈل کی کار بھی لے کر دیدی تھی۔
یہ کار زیادہ تر سمگل شراب لانے کا کام ہی کیا کرتی۔
فخر روز ہی بڑے لوگوں کو بلا کر دعوتیں کرتا ـــــ
ان دعوتوں میں شراب بھی چلتی۔ رابعہ عشرت کے علاوہ بہت سارے
لوگوں کی محبوبائیں۔ بیویاں۔ بیٹیاں اور بہنیں بھی شرکت کرتیں۔
رات رات تک جوا کھیلا جاتا ـــــ رقص و سرور کی محفلیں جمتیں۔
یہ لوگ رات کو بڑے اور نکیل ہو جاتے تھے۔
صبح کے وقت یہی لوگ بڑے بڑے افسر تھے۔ کوئی آئی جی ـــــ کوئی
کمشنر اور کوئی منسٹر اور کوئی الصافت کرنے والا جج ـــــ
فخر پہلے سال صرف کلرک تھا لیکن نوکری چھوڑ کر اب بزنس مین بن گیا تھا ـــــ
ویسے ان محفلوں میں جب یہ لوگ اکٹھے ہوتے تو واقعی محمود و ایاز بن جاتے۔
اس وقت یہ تمیز نہیں رہتی کہ میں افسر ہوں اور تم ماتحت ـــــ سب
زندگی انجوائے کرتے۔
وہ اس زندگی سے عاجز آ چکی تھی ـــــ تھک گئی تھی۔ اس طوفان میں
نسے چکر آنے لگے ـــــ تو اس نے بغاوت کر دی

اس نے فخر سے صاف کہہ دیا ـــــــ اب یہ سب نہیں ہو سکتا اس سے ـــــــ

عشرت نے سمجھانے کی کوشش کی ـــــــ

لیکن رابعہ نے عشرت کو وہ سنائیں کہ وہ بھنا گئی ۔

اب عشرت کی چاپلوسی کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا

اور تب عشرت نے فخر کو مشورہ دیا کہ رابعہ خطرناک ہو گئی ہے

اس لئے اس کے دام کہیں اور سے وصول کر لو ۔

اور پھر ـــــــ

فخر نے اسے زینت بائی کے ہاں بیچ دیا ـــــــ

زینت بائی نے اس کا نام نیلم بائی رکھا اور اسے گانے کی تعلیم دلوانے لگی ۔ رابعہ جب نیلم بائی بنی تو جو کچھ پیچھے چھوڑ کر آئی تھی اس سے یہ دنیا اسے قدرے بہتر لگی ۔

یہاں زینت بائی نے اسے پیار دیا ـــــــ یہاں اس کی حکومت تھی ۔ وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہتی جاتی ۔ جو چاہتی کرتی ۔ یہاں بھی دھوکہ فریب گناہ ضرور تھا ۔ مگر وہ لوٹ کھسوٹ نہیں تھی ـــــــ یہاں ایک چہرہ تھا ۔ اور وہاں ایک چہرے پر بہت سارے چہرے لگے تھے ۔

وہ یہاں مطمئن تھی ـــــــ

فخر کی کئی بار اس سے ملاقات ہوئی ــــــــ

وہ نیلم بائی تھی ــــــــ

اور فخر سرمایہ دار امیر آدمی ــــــــ

کئی بار دوستوں کے ساتھ اس کے کوٹھے پر گانا سننے آیا ــــــــ

اسے یاد تھا جب وہ پہلی بار اسکے کوٹھے پر گیا۔ تو وہ اس سے خفا نہیں تھی ــــــــ

بلکہ اس نے مسکرا کر اس کا استقبال کیا تھا ــــــــ

اسے یاد تھا ــــــــ

اس روز اس نے پی رکھی تھی ــــــــ اس کے ساتھ دو دوست بھی تھے۔

گانا وانا بھی آتا ہے یا نہیں ــــــــ

فخر مسکرا کر بولا ــــــــ

تمہارے ہاتھوں سے نکلا ہوا انسان پارس بن جاتا ہے۔

نیلم ہنس کر بولی ———

تو یہ میرا احسان ہوا نا ——— وہ بہکا ہوا تھا۔

یہ احسان کسی اور پر نہ کرنا ———

نیلم بائی ہنسی ———

تم کو اس سے غرض ———

فخر نے قہقہہ لگایا ———

کوئی نیک کام بھی کر لو ———

آخری عمر میں یہی ارادے ہیں میرے۔

فخر سرخ آنکھوں کو بمشکل کھول کر بولا ———

کیا حال ہے تمہاری رازدار کا ———

نیلم نے پوچھا ———

وہ یہ شہر چھوڑ گئی۔ سنا ہے اس نے وہاں نئے انداز اپنا لئے ہیں ———

تم لوگوں کے روپ نرالے ہیں۔

نیلم نے تان پورہ سنبھال لیا ———

سناؤ ——— کیا سیکھا ہے تم نے ———

فخر بولا ———

جو کچھ سیکھنا تھا تمہارے اسکول سے سیکھ چکی اور بھول بھی گئی۔

یہاں تو بازار ہے ——— اور میں نے اپنے ماتھے پر طوائف کا لیبل لگا لیا ہے اس سے کم از کم اتنا سکون ضرور ہے کہ میں چل کر کسی کے پاس نہیں جاتی ۔ شوہر کا لیبل ذہن میں حسن کرتی ——— کوئی زیادہ ہوس بھی نہیں ہے جو مجھے مل جاتا ہے گزر کے لئے کافی ہے ۔ اس لئے دھوکے فریب سے دور ہوں

اور مطمئن ہوں ـــــــ

کیوں نہیں ـــــــ فخر ہنسا ـــــــ کہنے لگا ـــــــ

طوائف بن گئی ہو ـــــــ اور ہوس سے دور ہو ـــــــ

تم نے ہی بنایا ہے ـــــــ مگر میں ناراض نہیں ہوں۔

تم نے بہت اچھا کیا ـــــــ تمہارے ہاتھوں میں کھلونا بننا میرے لئے بہت تکلیف دہ تھا ـــــــ

تو اس احسان کے بدلے کچھ سنا دو ـــــــ

فخر بولا ـــــــ

نیلم بائی ہنسی اور استادوں کو اشارہ کیا اور گانے لگی ـــــــ اس کی خوبصورت آواز سازوں کے امتزاج سے مل کر اور دلکش ہو گئی۔

فخر اور دوسرے لوگ جھوم جھوم گئے۔

خوب ـــ خوب ـــــــ یہ جوہر تو آج ہی کھلا ہے مجھ پر ـــــــ

فخر بولا ـــــــ

آپ کی نوازش ـــــــ

نیلم بولی ـــــــ

کچھ اور ہو جائے ـــــــ

نیلم نے ایک دو اور غزلیں سنائیں۔

فخر تڑپ تڑپ گیا ـــــــ

رات گئے تک وہیں بیٹھا رہا ـــــــ

جاتے وقت اس نے نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور بولا۔

حقیر سا نذرانہ ـــــــ

اپنے پاس رکھیئے ـــــ آپ کا ہی دیا کھاتی ہوں نیلم ہنسی ـــــ
کیوں تکلف کرتی ہو ـــــ
آپ تو بائی باپ ہیں ہمارے حضور ـــــ نیلم قہقہہ لگا کر بولی ـــــ
فخر نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا اور بولا ـــــ
طنز بہت خوبصورت کرتی ہو ـــــ
یہ رقم لے جائیے ـــــ آپ کے کام آئے گی ـــــ
نیلم نے روپے واپس کر دیئے ـــــ
اچھا تمہاری مرضی ـــــ وہ جانے کے لئے مڑا ـــــ
سنو ـــــ نیلم نے پکارا ـــــ
کیا ہے ـــــ
ایک بات تو بتاتے جاؤ ـــــ
کہو ـــــ
آج کل بھی تمہارے وہی کام ہیں ـــــ
کیوں ـــــ
فخر ایک بات مانو گے ـــــ
نیلم کی آنکھیں بھر آئیں ـــــ کہنے لگی ـــــ
اب بس کرو فخر ـــــ تم ـــــ تم بہت دولت مند بن گئے ہو اب کسی
اور رابعہ کو نیلم بائی نہ بنانا ـــــ وہ رو پڑی اور فخر ہنستے ہوئے باہر نکل گیا۔

پھر وہ ایکٹرس بن گئی ـــــ

فخر تب بھی اس سے ملا ـــــ

بہت اونچی اُڑنے لگی ہو ـــــ

نیلم بائی جواب میڈم نوری تھی ـــــ ہنس دی ـــــ

کہنے لگی ـــــ

میری اُڑان تم سے اونچی نہیں ہوسکتی ـــــ

میں نے تو وہ کام چھوڑ دیئے ـــــ

فخر بولا ـــــ

اچھا ـــــ

ہاں ـــــ

اب کیا کرتے ہو ـــــ

اب نماز پڑھتا ہوں ـــــ حج کر کے آیا ہوں اور رفاہی کام کرتا ہوں۔

واہ ـــــــ

میڈم نوری کو یقین نہ آیا ـــــــ

معاشرے میں میرا مقام بہت اچھا ہے۔ لوگ میری بے انتہا عزت کرتے ہیں ـــــــ میں بہت اچھا آدمی ہوں۔

واہ واہ ـــــــ سبحان اللہ ـــــــ

میڈم بولی ـــــــ

حیرت ہے تمہیں پتہ ہی نہیں ـــــــ میں تو بہت مشہور آدمی ہوں۔

خان بہادر فخر الزماں ـــــــ

میرے لئے تو تم ہمیشہ سے ہی شہرت یافتہ ہو۔ جانتی ہوں نا تمہیں۔

میڈم نے کہا ـــــــ

وہ باتیں بھول جاؤ ـــــــ اب کسی کے سامنے میرا نام تو لو ـــــــ تمہیں خوشی ہوگی کہ لوگ میرا نام کس قدر احترام سے لیتے ہیں لوگوں میں بہت مقبول ہوں میں ـــــــ

فخر خوشی سے بولا ـــــــ

اس لئے تو میں تمہاری قدر کرتی ہوں کہ تم سیلف میڈ آدمی ہو۔

یہ ـــــــ تمہیں یہ سب کچھ ورثے میں نہیں ملا۔ خود بنایا ہے تم نے ـــــــ

فخر اس کی بات نظر انداز کر گیا ـــــــ کہنے لگا ـــــــ

سرکاری درباری قسم کا ہو گیا ہوں میں۔ حکومت بھی میری عزت کرتی ہے۔

جس محکمے میں چلا جاؤں کام فوراً ہو جاتا ہے ـــــــ

اچھا اب سمجھی ـــــــ

میڈم مسکرا کر بولی ـــــــ

کیا ـــــــــ ؟

یہی کہ آج کل نمازیں ہتھیار ہیں تمہارا ـــــــــ

کیا مطلب ـــــــــ

مخبر گھبرا گیا ـــــــــ

ہر چیز کا ایک وقت ہوا کرتا ہے تا ـ

زمانے کے رُخ ہیں ـــــــــ کبھی پارسا بننے سے کام ہو جاتے ہیں اور کبھی ہم جیسے لوگوں کے طفیل ـــــــــ

نہیں نہیں ایسی بات نہیں ـــــــــ

پھر کیا بات ہے ـــــــــ

بھئی تم سے کیا پردہ ـــــــــ آج کل وزارت کے چکر میں ہوں ـ

یہاں کیسے آئے ہو ـــــــــ

میڈم نے پوچھا ـــــــــ

فلم والوں کے مسائل حکومت تک پہنچانے ـــــــــ

میں چاہتا ہوں تم سب کا بھی معاشرے میں کوئی اچھا مقام ہو ـــــــــ دیکھو نا فلم والے تو معاشرے سے کٹ کر رہ گئے ہیں ـــــــــ حالانکہ یہ آرٹ کی دنیا ہے ـ ثقافتی ورثہ ہے ـــــــــ لیکن معاشرہ فلم والوں کو وہ مقام نہیں دیتا جو ان کو ملنا چاہئیے ـــــــــ

ٹھیک ٹھیک ـــــــــ

میڈم مخبر کی بات کو غور سے سنتے ہوئے بولی ـــــــــ

ہے نا اچھی بات ـــــــــ میں فلم والوں کو ان کا صحیح مقام دلواؤں گا ـ

میں عوام کا نمائندہ بن کر سب کے لئے کام کروں گا ـــــــــ

سچ کہہ رہے ہو ——

بالکل سچ ——

تم آج تقریر کرو گے ——

ہاں ——

ایک بات میری طرف سے لکھ لو —— بڑا اچھا پوائنٹ ہے۔

ہاں ہاں ضرور بتاؤ ——

ہم لوگوں کو عزت کا مقام دیا جائے یہ بات تو تمہاری تقریر میں ہے نا۔

ہاں ہاں میرا موضوع یہی ہے ——

ذرا اس بات پر بھی زور دینا —— کہ ہمیں مل کر ایسے لوگوں کا محاسبہ بھی کرنا چاہئے —— جو زبردستی لڑکیوں کو اغوا کر کے یہاں پر لا کر ان سے اپنا کاروبار چمکاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے عبرتناک سزائیں ہونا چاہئیں۔

ٹھیک ہے نا ——

ہاں ہاں —— بالکل ——

قمر کی آواز مدھم سی ہو گئی ——

یہ تم کہو گے نا ——

کہہ دوں گا ——

اور اگر اس جلسے میں میں تمہیں پکڑ کر سزا کی ابتدا بھی تمہیں سے کر دوں تو کیسا رہے گا ——

میڈم ہنس کر بولی ——

مذاق نہ کرو ——

قمر کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولا ——

توبھاگ جاؤ یہاں سے میں ایسا ضرور کردوں گی۔ میں تم جیسے لوگوں کو بے نقاب کرکے شاید گناہ بخشوالوں ـــــ چلے جاؤ یہاں سے پھر کبھی نیکی کا لبادہ اوڑھ کر میرے سامنے نہ آنا ـــــ

تمہارا سیاہ چہرہ میں کبھی نہیں بھول سکتی ـــــ سمجھے ـــــ

تم یہاں اب کسی کو بے وقوف نہیں بنا سکتے۔

میڈم غصے سے چیخ رہی تھی ـــــ

اور فخر خوف زدہ ہو کر وہاں سے چلا آیا ـــــ

جلسے میں بڑی دھوم مچی ـــــ کہ مہمان خصوصی جانے کس وجہ سے بھاگ گیا ـــــ

اس دن کی باتیں ـــــ

وہ غضب ناک چہرہ فخر کو آج تک یاد تھا ـــــ

پھر اس بات کو بھی چار سال گزر گئے ـــــ

فخر بھول گیا ـــــ

کیونکہ میڈم کی مارکیٹ ڈبلیو ایم ٹاپ پر چلی گئی۔

اور پھر آہستہ آہستہ گھٹتی گئی ـــــ

پھر وہ بیمار ہو گئی ـــــ

اسپتال پہنچ گئی ـــــ اور اب یہ سوانح حیات۔

ایسے نازک موقع پر ـــــ فخر مار کھا گیا ـــــ

پورا جسم پسینے میں نہا گیا ـــــ

کچھ دن بعد اس کی بیٹی کی شادی بہت بڑے خاندان کے لڑکے سے ہونے والی تھی۔

اپنے لڑکے کو اس نے پائلٹ افسر بنادیا تھا۔
وہ خود اس وقت بہت ہی قابلِ قدر اور محترم ہستی بنا ہوا تھا
پھر اب ــــ اب کیا ہوگا ــــ
ساری عزّت خاک میں مل جائے گی ــــ
بیٹی کی شادی رُک جائے گی ــــ
بیٹا تو شاید باپ کی صورت بھی نہ دیکھے گا۔
اور یہ لوگ ــــ
جو اسے اپنا نمائندہ چننا چاہتے ہیں۔
اس پر لعنتیں بھیجیں گے ــــ
اور کیا خبر پولیس بھی اس کیس میں اسے دھر لے ــــ اندیشے۔
وسوسے۔ پریشانیاں۔
وہ ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا ــــ

عشرت کی زندگی میں سب کچھ تھا ـــــــــــ

وہ سب کچھ جس کی تمنّا ہر عورت کا دل تڑپاتی ہے جس کے خواب وہ بچپن سے اپنی پلکوں پر سجانے لگتی ہے۔ خواب جو صحرا میں سراب کی طرح ٹھنڈے اور سکون پہنچانے والے ہوتے ہیں۔

تشنگی میں لبریز جام کی طرح حسین۔

اور یہی خواب اس کے لئے حقیقت میں ڈھل گئے تھے۔ کتنی خوش نصیب تھی وہ ـــــــــــ

سلیم نے اسے بھرپور پیار دیا تھا۔ اور شوہر کا پیار ہی تو عورت کے لئے سب کچھ ہوتا ہے۔

ان کا خوبصورت دومنزلہ وسیع بنگلہ۔ دو نئی جگمگاتی کاریں۔ بیشمار دولت جسے وہ بیدردی سے خرچ کرتی۔

اس کے شوہر نے اسے کبھی نہیں ٹوکا۔ زندگی کی تلخیاں کبھی محسوس ہونے نہ دیں۔

دونوں بچے شہر کے بہت بڑے کالجوں میں زیر تعلیم تھے۔ اس کی بیٹی نصرت بہت پیاری تھی۔

اور اس نے اس کی منگنی بھی ایک کیپٹن سے کر دی تھی۔ وہ سلیم کے ساتھ بے شمار پارٹیوں میں شرکت کرتی۔ دعوتوں، جلسوں، کلبوں کی شاموں کے بعد بہت کم وقت ملتا کہ وہ کچھ پڑھ سکے۔

سلیم بہت اچھا تھا ——— اس سے بہت محبت کرتا تھا۔

لیکن ———

وہ عشرت کا کسی سے میل جول پسند نہیں کرتا تھا۔ ہمیشہ اپنے ساتھ پارٹیوں میں لے کر جاتا۔

سلیم اپنی بیٹی کے لئے بھی اتنا ہی پابند تھا۔ چونکہ اچھے حسب و نسب کا مالک تھا اس لئے اس نے بیٹی کا رشتہ کرتے ہوئے بہت چھان بین کی۔

لڑکے کی ماں کون سے خاندان سے ہے لڑکے کا باپ کیا کرتا ہے۔

لڑکے کے رشتہ دار اچھے لوگ ہیں

غرضیکہ بہت باریکی اور دور بینی اس کی نظرت میں شامل تھی ———

لیکن عشرت مطمئن تھی۔

وہ بھی سلیم سے بے انتہا محبت کرتی تھی ———

زندگی گذرتی جا رہی تھی۔ سلیم جیسے شوہر کو پا کر اسے اپنی تقدیر پر بڑا ناز تھا۔

کہ اچانک ———

میڈم نوری کی سوانح حیات اس کے سکون میں طوفان لے آئی اور وہ اندر ہی اندر پریشان ہو گئی ———

اگر میڈم نوری نے اسے بھی دھر لیا تو کیا ہو گا ———

اس کی یہ خوبصورت زندگی اجڑ جائے گی ـــــــ

دبیز ایرانی قالین قیمتی بیڈ پر گداز سے بستر پر لیٹی وہ سوچے جا رہی تھی۔

ایک کسک دل کو اداس بنا رہی تھی ـــــــ

میرا ماضی ـــــــ

ماضی کے اندھیرے اور حال کی یہ روشنی۔

سلیم کو مجھ سے گھن آئے گی

ـــــــ

وہ مجھے چھوڑ دے گا ـــــــ میرے بچے مجھ سے چھین لے گا۔ اگر اسے

پتہ چلا کہ میں کون ہوں ـــــــ

اسے پتہ تو تھا ـــــــ

کہ میرے والدین نیروبی میں ہیں۔ اور میں نواب کی بیٹی ہوں۔ اسے

یاد آیا۔

جب سلیم کو حاصل کرنے کے لئے اس نے ایک نخھی کو کرائے پر اپنا

باپ ظاہر کیا تھا ـــــــ

اور پھر وہ کمایہ کا باپ عشرت کی شادی کر کے نیروبی واپس چلا گیا۔

اس دن کے بعد اس نے اپنا حلیہ بدل لیا ـــــــ وہ بہت کم گھر سے

باہر نکلتی۔

عشرت کی زندگی کے لئے اس نے اپنے آپ کو بالکل بدل ڈالا۔

سگریٹ چھوڑ دیئے ـــــــ شراب کو چھوڑ کر وہ بیمار پڑ گئی۔

لیکن اس نے اپنی زندگی بنالی ـــــــ

مگر اب ـــــــ

عشرت کو یاد آیا ـــــــ

ایک روز وہ کسی جگہ پکنک پر گئے تھے۔ وہاں پر کسی فلم کی آؤٹ ڈور شوٹنگ تھی ——

بچوں اور سلیم نے میڈم نوری کو دیکھ کر اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ لیکن وہ برابر ٹالتی رہی۔

سلیم زبردستی اسے پکڑ کے نوری کے سامنے آگیا ——

نوری نے عشرت کو پہچان لیا ——

عشرت نظریں چرا رہی تھی ——

کیسی ہو عشرت ——

نوری مسکرا کر اس کے قریب آئی ——

اچھی ہوں —— یہ میرے شوہر ہیں —— وہ دونوں میرے بچے ہیں۔

عشرت ڈری ڈری سی بولی ——

اچھا شادی کر لی تم نے ——

نوری نے سلیم کی طرف دیکھا ——

ہاں ——

عشرت بری طرح گھبرا رہی تھی ——

تو مزے میں ہو آجکل ——

عشرت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں التجا کی ——

لیکن نوری کو اس کی گھبراہٹ میں لطف آ رہا تھا ——

شریف بن کر انسان کتنا بدل ہو جاتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ مسکرا رہی تھی۔

تم انہیں کیسے جانتی ہو۔

سلیم نے عشرت سے پوچھ ہی لیا۔

بہت پرانا ساتھ ہے ان کا اور میرا ـــــــ

نوری ہنس کر بولی ـــــــ

تم وہ باتیں ابھی تک نہیں بھولیں ـــــــ

عشرت نے بات بنانی چاہی ـــــــ

بھول گئی تھی انہیں دیکھ کر یاد آگئیں۔

تم انہیں کیسے جانتی ہو ـــــــ

سلیم کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا ـــــــ

یہ میری استاد ہیں جی ـــــــ میں ان کی شاگرد ـــــــ

نوری ہنس کر بولی ـــــــ

کیا مطلب ـــــــ

سلیم کی برداشت جواب دیتی جا رہی تھی۔

آپ کیوں پریشان ہو گئے۔ عشرت بوکھلا کر بولی۔

یہ میری دلی میں میرے ساتھ اسکول میں پڑھتی تھی ـــــــ یہ وہاں بھی بڑی شرارتی قسم کی لڑکی تھی۔ بہت ہنس مکھ ہے۔ شوخی نہ گئی اس کی طبیعت سے۔

نوری ہنسے جا رہی تھی ـــــــ

اور عشرت اوٹ پٹانگ سی باتیں کر رہی تھی۔

پردہ رہ گیا ـــــــ

کہ نوری کو شارٹ دینے کے لئے ڈائرکٹر نے بلا لیا ـــــــ ورنہ عشرت کا تو اس نے خون نچوڑ لیا تھا۔

جاتے جاتے ہوئے کہنے لگی۔

پھر کبھی سہی ـــــــ میں تمہارے شوہر کو اچھی طرح بتاؤں گی کہ ہماری استادی

شاگردی کیسی تھی ـــــ بڑا مزہ آئے گا۔
عشرت ہنس کر بولی ـــــ
ہاں ہاں پھر ملیں گے کبھی ـــــ خدا حافظ۔
نوری چلی گئی تو سلیم کا موڈ اب تک خراب تھا ـــــ
یہ تمہارے ساتھ کیسے پڑھتی تھی۔
اس نے پوچھا ـــــ
یہ ایک اچھے خاندان کی لڑکی ہے سلیم۔ وہاں پر اس کی میری دوستی ہوگئی۔ بے چاری بڑی مظلوم ہے۔
پتہ نہیں ایکٹرس کیسے بن گئی۔
عشرت نے بات بنائی ـــــ
سلیم کو تو اس نے مطمئن کر دیا ـــــ لیکن خود تشویش کی بے چینی میں پڑ گئی ـــــ
اکثر اسے خیال آتا ـــــ مگر اب تو کافی عرصہ گزر گیا تھا ـــــ
لیکن یہ سوانح حیات ـــــ
یہ اگر سلیم نے پڑھ لی تو قیامت آجائے گی۔
لیٹی کیوں ہو عشرت ـــــ
سلیم اس کے قریب ہی آکر بیٹھ گیا۔
کچھ طبیعت ٹھیک نہیں تھی ـــــ
عشرت اُٹھ کر بیٹھ گئی ـــــ
بھئی ڈاکٹر کو بلوالو ـــــ میں اپنی پیاری بیگم کو اس روپ میں نہیں دیکھ سکتا۔
سلیم ہنس کر بولا ـــــ

عشرت بھی ہنسا دی ۔
تم نے اخبار دیکھا ــــــ
سلیم بولا ــــــ
ہاں ــــــ کیوں ــــــ
عشرت چونک گئی ــــــ
وہ میڈم نوری سوانح حیات لکھ رہی ہے ــــــ
ہاں ہاں ــــــ
عشرت کی آواز حلق میں گھٹ سی گئی ۔
مجھے بڑا انتظار ہے ــــــ پتہ نہیں کب چھپے گی ــــــ
دیکھنا یہ ہے کہ وہ نیر دہلی میں پڑھنے کا ذکر کرتی ہے یا نہیں ــــــ
سلیم کی بات نے عشرت کی جان نکال لی ۔
کہنے لگی ــــــ
کیا پتہ ــــــ
سلیم کا فون آگیا ــــــ
اور عشرت سوچنے لگی ــــــ
اسے میڈم نوری سے مل کر اپنی خوشیوں کی بھیک مانگنی چاہیئے ۔
کیا پتہ اسے ترس آجائے یا پھر وہ سوانح حیات اس سے چھین لینی چاہیئے ۔
وہ طرح طرح کی سکیمیں سوچ رہی تھی ۔

دور گھروں کی چمنیوں سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔
رات کی روشنیاں خاموش اور کھوئی کھوئی سی معلوم ہو رہی تھیں۔ کہیں کہیں کسی کچے گھر سے میلی سی روشنی باہر آ رہی تھی۔ رواں دواں سڑک بھی چپ چاپ تھی۔
دور آسمان پر پچھم سے بادل تیرتے تیرتے رُک گئے تھے۔ ہر چیز رُکی رُکی سی تھی۔

اندر چائے کی ایک چھوٹی سی دُکان پر بیٹھا رسالے اُلٹ پلٹ کر رہا تھا۔ اس کے گاؤں میں چائے کی یہ واحد دُکان اس کی ساتھی تھی۔
اُردو کے گنے چنے رسالے تھے جو چند ایکٹرسوں کی تصویروں سے بھرے ہوئے تھے۔
ان کے روکھے پھیکے چہرے، چمکیلی ساڑھیاں، تنگ اور ننگے بلاؤز۔
ایک دو سیاسی رسالے بھی تھے جن میں چند بڈھے کھوسٹ لیڈروں کے

چہرے تھے ان کی ہزار بار دہرائی ہوئی باتیں۔ چھوٹے دلاسے اور بے سر د پا تنقیدیں۔

اس نے رسالے پرے کر دیئے۔

سر دونوں ہاتھوں سے پکڑے وہ سوچ رہا تھا۔

اب کیا کروں ——

وقت کتنا قلیل رہ گیا ہے ——

اور فاصلہ بہت زیادہ ——

کیسے پہنچوں گا اس تک ——

اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ پھٹا ہوا ایک روپے کا نوٹ اس کی جیب کے ساتھ چپکا ہوا تھا ——

یہ ایک روپیہ ——

اور اتنا دور کا سفر ——

اچانک ہی اسے خیال آیا —— کیوں نا وقت گزارنے کے لئے وہ ایک، دو کہانیاں لکھ دے۔ کہانیاں چھپ جائیں گی یا نہیں وہ ان کے جتنے بھی پیسے ملے لے گا اور رابعہ کے پاس پہنچ جائے گا۔

جب تک صبح ہوگی وہ دو تین افسانے لکھ سکتا ہے۔ اس نے دکاندار سے کاغذ لئے اور لکھنے لگا۔ وہ لکھتا چلا گیا۔

مگر جب چونکا —— تو دیکھا —— وہ کیا لکھ گیا ہے۔

رابعہ کی باتیں —— جو اس نے آج تک نہیں لکھیں۔

یہ قلم —— اسے علم ہے کہ میں رابعہ کے بارے میں کچھ نہیں لکھنا چاہتا۔
مگر آج —— اس کی محنت اور نیز تب کو میرے دل کے احساسات چھپانے

مشکل ہو گئے ہیں ۔

اور وہ بے جان قلم اس کی انگلیوں کے درمیان کاغذ کے بے جان سینے پر زندگی کے بیج بوتا چلا گیا ۔

" نہ میں نے تم تک پہنچنے کے لئے کوئی جتن کیا نہ تمہیں مجھ تک آنے کے لئے کسی طویل راہ سے گزرنا پڑا ۔"

بس مختصری بات ہے ____

میں بھوکا تھا ____

گاؤں میں میری ماں اور چار بہنیں تھیں ۔ اس بار کا میں اکلوتا بیٹا اور ان چار بہنوں کا اکیلا بھائی ۔

میں نے ہی ان کے لئے سب کچھ کرنا تھا ____

وہ سب ہی بھوکی تھیں ۔

میں بھی بھوک سے نڈھال ۔ تلاشِ معاش میں دربدر کی ٹھوکریں کھا رہا تھا ____

اس دھرتی پہ سفر کر رہا تھا ____ ننگے پر کبھی تپتی ہوئی جلتی ہوئی زمین کے سینے پر کبھی پتھریلے ۔ سنگلاخ راستوں پر اور کبھی وہ بے رحم کولتار کی سڑکوں پہ ____

مگر اس بھوک پیاس اور معاشی جدوجہد کے سفر میں میں اکیلا نہیں تھا

میرے ساتھ بہت سارے لوگ تھے ۔ بہت سے انسان ____ ان کے دکھ درد ____ ان کے مسائل ان کے پیٹ ۔ ان کی بیماریاں ۔ ان کے دل ان کے جذبات اور ان کی بھوک ____

بھوک جو کئی قسم کی ہوتی ہے ۔

پیٹ کی بھوک ____

انسانوں کو ہل چلانے پر اور پتھر ڈھونے پر مجبور کرتی ہے ۔

اقتدار کی بھوک ______

قوموں میں غدّار پیدا کرتی ہے ۔

دولت کی بھوک ______

بددیانت ۔ رشوت خور اور سمگلر پیدا کرتی ہے ۔ انسان کو انسان کا دشمن بناتی ہے ۔ بھائی سے بھائی کا گلا کٹواتی ہے ۔ یہ حق تلفیوں اور غضب کا سبق دیتی ہے ۔

اور ایک بھوک لمبی بھی ہے ۔

جس نے معاشرے میں باقاعدہ ایک ایسا طبقہ پیدا کردیا ہے جو شرافت اور انسانیت کے لئے ناسور بن گیا ہے ۔ لیکن میں صرف ان پیٹ کے بھوکے لوگوں کے ساتھ تھا ۔

ہمارے ساتھ ہماری پوشیدہ خواہشیں تھیں ، خواب تھے اور خواب یونہی پورے نہیں ہوتے ۔ اس کے لئے کچھ کرنا پڑتا ہے ۔ عمل کی کٹھن راہوں سے گزرنا پڑتا ہے ۔ لیکن پھر بھی کچھ نہیں بنتا ۔

کسان ہل چلاتا ہے ۔ اناج اگاتا ہے تو ہزاروں خالی پیٹ اسے سمیٹ لیتے ہیں ۔

اسی طرح سفر کرتا میں ایک دن تمہارے شہر پہنچ گیا ۔ تمہارے شہر میں سب سے ہمدرد آدمی تمہارا باپ ملا ۔

آنکھوں پر چشمہ لگائے ۔ دبلا پتلا سا آدمی ______

جس کا نام اقبال تھا ______

اقبال صاحب کی کمر ان کے گھریلو حالات کی وجہ سے جھک گئی تھی ______

وہ ایک مقامی روزنامے میں خوش نویس تھے۔
اقبال صاحب مجھے بھی ایڈیٹر کے پاس لے گئے ۔
میری قسمت اچھی تھی ۔ مجھے فیچر رائٹر کے طور پر قبول کر لیا گیا
میں اخبار کے لئے لکھنے لگا ۔ میرے پاس رہنے کی جگہ نہیں تھی ۔
اقبال صاحب چند دن کے لئے مجھے اپنے گھر لے آئے ۔
جہاں تم تھیں ــــــــــ
تم سے بھی ملاقات کا حال مجھے ابھی تک یاد ہے ۔
مجھے یاد ہے ــــــــــ
اقبال صاحب مجھے لے کر گھر پہنچے ۔
تو تم صحن میں ایک طرف بیٹھی برتن مانجھ رہی تھیں ۔
تمہارے خوبصورت ہاتھ راکھ میں اٹے ہوئے تھے ۔
مجھے دیکھ کر تم نے پیٹھ موڑ لی ــــــــــ
رابو بیٹی انور صاحب میرے بیٹے کی طرح ہیں اب یہ اسی گھر میں رہیں گے
ان کے لئے اوپر والا کمرہ خالی کر دو۔
تمہاری امی کہاں ہیں ۔
اقبال صاحب نے بہت سارے سوال ایک دم پوچھ لئے ۔
ابا! وہ بچوں کو ساتھ لے کر خالہ زینت کے ہاں میلاد پر گئیں ہیں ۔
رابعہ نے ہاتھ دھو کر اپنے میلے دوپٹہ سے صاف کئے ــــــــــ
نو بیٹی جلدی سے روٹیاں ڈال لو ۔ سالن تو پکا ہی ہو گا ۔
اچھا ابا ــــــــــ
رابعہ بھاگ کر برآمدے کی طرف گئی ۔ جہاں ایک چھوٹی سی دیوار کے

ساتھ چولھا تھا۔

رابعہ نے آگ جلا کر توا رکھا۔ جب وہ آگ بھڑکانے کے لئے پھونکیں مار رہی تھی تو انور نے کنکھیوں سے دیکھا۔ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔

اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔

اس نے جلدی سے روٹیاں پکا لیں

انڈے کا آملیٹ بنایا اور بڑے سجا کر ابا کو پکڑا دی۔

انور نے کھانا کھا کر برتن خود ہی لا کر برآمدے میں رکھ دیئے۔

انور بابو چائے بھی پیو گے نا ______

اقبال ہنس کر بولے۔

رہنے دیجئے ______

چائے بن گئی ابا ______

رابعہ نے پیالیوں میں چائے انڈیل کر ابا کو پیالیاں تھما دیں ______

میری بیٹی چائے بہت اچھی بناتی ہے ______

اقبال صاحب بولے ______

رابعہ نے اوپر جا کر کمرہ جھاڑا چارپائی بچھا کر اجلی چادر اس پر بچھائی اور نیچے آ گئی ______

اقبال انور کے ساتھ اوپر چلا گیا ______

اور وہ جلدی جلدی کام نپٹانے لگا ______

اقبال انور کو اپنے گھر کے بارے میں بتاتا رہا۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ رابعہ اس کی پہلی بیوی سے ہے اور اب دوسری بیوی سے اس کے چار بچے ہیں۔

صبح تیز تیز چیخ و پکار۔ برتنوں کے پٹخنے کی آوازیں اس کے کانوں میں پڑیں تو وہ گھبرا کر اٹھا۔ نیچے دیکھا۔

رابعہ صحن میں سہمی سہمی کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

اقبال صاحب سر جھکائے چارپائی پر بیٹھے تھے۔

بچے بھی جمع ہو کر آپا کے پٹنے کا تماشہ دیکھ رہے تھے ——

اور کالے رنگ کی موٹی سی عورت جو غالباً اقبال کی دوسری بیوی تھی۔

رابعہ کو پیٹ رہی تھی ——

تیرا ستیاناس جائے۔ جانے کہاں دھیان رہتا ہے تیرا۔ پوری دو پیالیاں توڑ ڈالیں —— تجھے موت نہ آگئی —— میرا گھر ویران کیے جا رہی ہے ——

بس کرو رشیدہ ——

اقبال دھیمی آواز میں بولے۔

تم ایک لفظ بولے، تو میں ابھی اپنے میکے چلی جاؤں گی۔

تمہارے ہی لاڈ پیار نے نواب زادی کو بگاڑ دیا ہے۔ پرسوں پلیٹ توڑ دی۔ آج اکٹھی دو پیالیاں بس تو اس لڑکی سے عاجز آ گئی ہوں۔

چل رابعہ کام کر جا کر ـــــــ اس گھر میں تو کل کل سے دل چڑھتا ہے۔ گھر مہمان آیا ہوا ہے کیا خیال کرے گا۔

اقبال بولے ـــــــ

خیال کیا کرے گا اُسے بھی چند دن میں پتہ چل جائے گا کہ اس گھر میں کیا ہوتا ہے۔ اور دیکھ لڑکی۔ اگر تو کبھی ادھر گئی تو ہڈیاں توڑ دوں گی ـــــ تمہارے باوا کی تو عقل ٹھکانے نہیں۔ گھر میں جوان لڑکی ہے اور مہمان لے آئے ہیں۔

رشیدہ تیز آواز میں بولی ـــــــ

آہستہ بولو ـــــــ

خدا کے لئے آہستہ بولو ـــــــ

اقبال بولے ـــــــ

اچھا اچھا ـــــــ

آہستہ بولیں گے۔

جاؤ اسے ناشتہ دے آؤ ـــــــ

رشیدہ رابعہ پر چھبتی ہوئی نظر ڈالتی ہوئی چولھے کے پاس چلی گئی۔

انور نے اس مظلوم سی لڑکی کے بارے میں بہت کچھ سوچا ـــــ اور اس کے بعد وہ دفتر چلا گیا۔ ـــــــ

وہ گھر گیا تھا۔ اچھا خاصا پاگل خانہ تھا۔

بچوں کی چیخ و پکار ـــــــ رشیدہ کی ہر وقت کی جھک جھک۔

مہنگائی کا رونا ـــــــ لوگوں کی باتیں ـــــــ پڑوسن سے لڑائی۔

انور وہاں بہت ہی تنگی ترشی وقت گزار رہا تھا ـــــــ اس کا خیال تھا کہ پہلی تنخواہ ملتے ہی وہ اپنے لئے کہیں رہائش کا بندوبست کرے گا۔

اقبال صاحب بیوی سے بہت دبتے تھے۔ ہمیشہ یہ ہوتا کہ وہ بے تکان بولے چلی جاتی اور اقبال صاحب سر جھکائے سنتے رہتے۔

شامت بیچاری رابعہ کی آتی ـــــــ

وہ تھی چپ چاپ۔ سہمی سہمی سی۔ ہر وقت آنکھوں میں خوف۔ چہرے پر ڈر ـــــــ

انور کو وہاں رہتے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اس عرصہ میں کئی بار اس کا جی چاہا کہ رابعہ سے دو بول ہمدردی کے ہی کہہ دے ـــــــ

مگر ایک بار بھی موقعہ نہ ملا ـــــــ

آج رشیدہ اپنے بھائی کی منگنی میں جا رہی تھی ـــــــ

صبح سے ہی رابعہ اپنے بہن بھائیوں کو تیار کر رہی تھی ـــــــ

رشیدہ رابعہ کو کوستی ۔ کام بتاتی ہوئی برقعہ اوڑھ کر بچوں کو ساتھ لے کر چلی گئی ـــــــ

تو رابعہ کھانے کی ٹرے لے کر سیڑھیوں تک آئی ۔

" کھانا ـــــــ "

دروازے پر دستک دے کر وہ آہستہ سے بولی ۔

انور نے ٹرے پکڑ لی ـــــــ

وہ جانے کے لئے مڑی تو انور بولا ـــــــ

" سنو رابعہ ـــــــ "

" جی ـــــــ "

رابعہ پلٹی ـــــــ

" ایک گلاس پانی بھی دے جاؤ "

اس کے روکھے پھیکے لہجے سے انور کو ہمت نہ ہوئی کہ کوئی بات کر سکے ۔

وہ چپ چاپ پانی کا گلاس رکھ کر نیچے چلی گئی ۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ اسے رابعہ کی چیخ سنائی دی ـــــــ

وہ گھبرا کر نیچے دوڑا ـــــــ

نیچے کا منظر ہی کچھ عجیب تھا ـــــــ

ایک کالے بھجنگ گھٹے جسم کے نوجوان نے رابعہ کے دونوں ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور اسے اندر کی طرف گھسیٹ رہا تھا

"بچاؤ ـــــ بچاؤ ـــــ بابوجی ـــــ بچالو مجھے ـــــ

رابعہ چیخ رہی تھی ـــــ

انور نے آگے بڑھ کر نوجوان کو دو تین مکّے دے مارے اور دوسری طرف دھکیل کر بولا ـــــ

"ذلیل آدمی ـــــ شرم نہیں آئی۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے کر دونگا"

رابعہ روتی ہوئی انور سے لپٹ گئی ـــــ

وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی ـــــ

تم کون ہو جی ـــــ"

وہ آدمی اٹھ کر غصّہ سے بولا ـــــ

انور نے دوبارہ اسے پکڑنے کی کوشش کی ـــــ

تو وہ انور کی طرف جھپٹا ـــــ

اور انور کا سر دیوار کے ساتھ لگاتار پٹخنے لگا۔

رابعہ پھر دوڑ کر بیچ میں آئی ـــــ

"نورے خدا کے لئے چھوڑ دو ـــــ"

رابعہ نے ہاتھ جوڑ دیئے ـــــ

"میں بھی کہوں آج اتنی کیوں اترا رہی ہو۔ اب پتہ چلا کہ یار کو گھر میں چھپا رکھا تھا ـــــ"

انور نے پورا زور لگا کر نورے کے پیٹ پر لات ماری تو وہ گر پڑا ـــــ

"بابوجی ـــــ یہ بہت ظالم ہے ـــــ یہ آپ کو مار ڈالے گا۔"

رابعہ انور کو باہر کی طرف گھسیٹنے لگی ـــــ

عین اس وقت اقبال صاحب آ گئے ـــــ

انہیں دیکھ کر انور اٹھ بیٹھا ——— کہنے لگا بڑے بھائی آج میں نہ آتا تو تمہاری عزّت لٹ چکی ہوتی ۔

" کیا بکتے ہو ——— "

اقبال غصّے سے بولا ———

" یہ دیکھو بڑے بھائی ——— رابعہ نے گھر میں اس دھگڑے کو چھپا رکھا تھا ——— "

" بکو مت ——— " اقبال بولا

" ابّا یہ بالکل جھوٹ بول رہا ہے۔ یہ ——— یہ مجھے اکیلا دیکھ کر آیا۔۔ اس نے ——— اور ابّا ——— بابوجی نے تو اس سے میری عزّت بچائی ہے۔ "

رابعہ روتے ہوئے باپ سے لپٹ گئی۔

انور نے اقبال صاحب کی طرف دیکھا۔ انور کے سر سے خون بہہ رہا تھا کہنے لگا۔

" یہ کون آدمی ہے ——— "

" یہ کمبخت میری بیوی کا بھائی ہے ——— " اقبال صاحب نے غصّہ سے نورے کی طرف دیکھا۔ جو ڈھیٹ بنا کھڑا تھا ———

" میں کہتا ہوں نکل جاؤ میرے گھر سے اور آئندہ قدم رکھا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔ جاؤ دفع ہو جاؤ ——— "

اقبال نے کہا ———

" جاتا ہوں خفا کیوں ہوتے ہو سیدھی طرح رشتہ کر دو نا اپنی بیٹی کا مجھ سے۔ " نورا جانے کے لئے مڑا ———

"خبردار جو آئندہ اپنی ناپاک زبان سے میری بیٹی کا نام لیا۔"

اقبال صاحب اس کی طرف جھپٹے ـــــــ لیکن وہ جا چکا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ـــــــ خاموشی سی چھا گئی ـــــــ

رابعہ جلدی سے اندر گئی اور کپڑا جلا کر لے آئی اس کے ایک ہاتھ میں پٹی تھی۔

"آپا بابو جی کے سر سے خون بہہ رہا ہے یہ باندھ دو ـــــــ"

اقبال نے پٹی لے کر انور کے سر پر باندھی اور بولا ـــــــ

"آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا انور بابو۔"

"شرمندہ نہ کریں اقبال صاحب ـــــــ"

رابعہ کمرے میں گئی۔ انور اوپر جانے لگا تو اقبال صاحب بولے۔

"انور بابو ـــــــ"

"جی ـــــــ"

"ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

"کہئے ـــــــ؟"

انور ان کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"آپ کی کہیں منگنی ہو چکی ہے کیا ـــــــ" اقبال جھجکتے ہوئے بولے۔

"جی نہیں ـــــــ"

"تو ـــــــ انور بابو ـــــــ رابعہ میرے سینے کا بوجھ ہے بھاری بوجھ ہے ـــــــ میرا یہ بوجھ اٹھا سکو گے"

اقبال کی آنکھوں میں آنسو تھے ـــــــ کہنے لگا۔

"یہ بدنصیب دو برس کی تھی کہ اس کی ماں انتقال کر گئی۔ یہ نانی کے پاس رہی کچھ عرصہ بعد وہ بھی زندہ نہ رہی۔ میری والدہ نے میری دوسری شادی کر دی۔

رشیدہ نے اس بچی سے کبھی محبت نہ کی۔ اس کی جھڑکیوں اور مار پیٹ کے سائے میں یہ جوان ہوگئی۔ اور اب رشیدہ چاہتی ہے کہ میں اس کا بیاہ نورے سے کر دوں۔

نورے کو تم دیکھ چکے ہو ـــــ کیا وہ اس قابل ہے کہ رابعہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دوں ـــــ

میں آج کل رابعہ کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی بھی اچھا لڑکا ملے تو میں اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں ـــــ یہ اپنے گھر میں جائے گی تو شاید اس کے نصیب میں بھی چار دن خوشی کے آجائیں۔ یہ بڑی دکھی ہے انور بابو ـــــ اس کا سہما سہما چہرہ دیکھتا ہوں تو کلیجہ کٹتا ہے ـــــ لیکن بے بس ہوں۔ کچھ نہیں کر سکتا۔"

اقبال انور کو بھرائی ہوئی آواز میں سن رہا تھا اور اندر دروازے سے لگی رابعہ کے آنسو ٹوٹے دانوں کی طرح بہہ رہے تھے ـــــ

"انور بابو ـــــ میری بیٹی بہت اچھی ہے ـــــ بڑی سگھڑ۔ اس سے تمہیں کبھی گلہ نہ ہوگا ـــــ"

"تم چپ کیوں ہو ـــــ مجھے اپنا فیصلہ بتاؤ بیٹا ـــــ"

اقبال بے چینی سے بولے ـــــ

"میں مجبور ہوں اقبال صاحب" انور آہستہ سے بولا اور اقبال کا چہرہ مایوسیوں میں ڈوب گیا ـــــ

"میں چار بہنوں کا اکلوتا بھائی ہوں۔ ابھی مجھے ان کے گھر بسانے ہیں۔" انور کی آواز رابعہ کے لئے مایوسی کے اندھیرے گھرے کر گئی ـــــ اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی ـــــ

اور جب وہ انور کے پاس سے گزری تو اس کی نظروں میں جیسے خون جھلک رہا تھا ۔۔۔

ڈھائی گھڑی کا ہیضہ ٹوٹے تجھ پر
تجھ پر اللہ کی مار ۔۔۔۔۔
پتہ نہیں کب تک میرے کلیجہ پر مونگ دے گی تو ۔
اونچی آواز سن کر انور نے نیچے دیکھا ۔۔۔۔۔۔
رابعہ آنکھوں پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی ۔ نورا سامنے بیڑی چھوٹی انگلی میں دبائے کھڑا تھا ۔
اور رشیدہ کمر پر ہاتھ دھرے رابعہ کو صلواتیں سنا رہی تھی ۔ تجھ پر خدا کی مار ۔۔۔۔۔ میرے بھائی کو اس پار سے پٹواتے ہوئے تیرے ہاتھ نہ ٹوٹے ۔
آپا بھائی صاحب نے تو تجھے کھڑے کھڑے نکال دیا تھا ۔
نورا بولا ۔۔۔۔۔
اب تیرے اس بھائی صاحب کی خیر میں لوں گی ۔۔۔۔۔
یہ تو اس وقت خوب اکڑ رہی تھی ۔

نورا پھر بولا ــــــــ
ہاں ہاں یہ بولے گی۔ اس نے تو شکر کیا ہے کہ وہ بابو مویا ہاتھ آیا۔
دوڑ دوڑ کر اوپر جاتی ہے۔ ان کے آنکھ مٹکے میں دیکھتی رہتی ہوں۔
ماں نے بھی آنکھ مٹکوں سے شادی کی تھی۔ یہ بھی تو اس کی بیٹی ہے۔
خدا کے لئے اماں میری ماں کو کچھ نہ کہو ــــــــ
رابعہ تڑپ کر بولی ــــــــ
ہاں ہاں اسے کچھ نہ کہو جو ناگن جن گئی ہے میرے لئے۔
ہائے ہائے مجھے تو ایک دن چین نہ آیا اس گھر میں ــــــــ بیاہ کر آئی
تو تو بیٹھی تھی میرے لئے ــــــــ کلموہی ــــــــ
میرا تو نصیبہ ہی پھوٹ گیا ــــــــ
اس کی زبان بڑی تیز ہے بابو جی بابو جی کر رہی تھی۔
نورا بولا ــــــــ
ہاں ہاں وہ بابو جی اس کا سگا ہے نا ــــــــ
رشیدہ رابعہ کو مارنے لپکی۔ رابعہ کو دھکا دے کر بولی ــــــــ
آج اسے بھی چلتا کروں گی وہ ہوتا کون ہے میرے بھائی پر ہاتھ اٹھانے
والا ــــــــ اور تو ــــــــ اسی نورے سے ہی بیاہی جائے گی۔ اس کی
جوتیاں کھائے گی ساری عمر۔
نورے ــــــــ بس تم جمعہ کے روز برات لے کر آجانا۔ میں سب
ٹھیک کر لوں گی ــــــــ
سوچ لو آپا ــــــــ کہیں بھائی صاحب اکڑ گئے تو یہاں سے میری بڑی
بے عزتی ہو گی دوستوں میں۔

وہ کون ہوتا ہے ـــــ میں نے تمہیں کہہ دیا تم جمعہ کے روز برات لے کر آجانا۔ کچھ مجھے بھی سکھ کا سانس لینا نصیب ہو ـــــ اور تمہیں پتہ ہے کہ میں زبان دے کر اسے ہر صورت میں پورا کرتی ہوں ـــــ بس تم آجانا ـــــ

رابعہ کھڑی کانپ رہی تھی۔

گلی کے نیچے بھی تماشہ دیکھ رہے تھے۔ چھجوں۔ منڈیروں اور کھڑکیوں سے عورتیں بھی جھانک رہی تھیں۔

ایک عجیب سا تماشہ تھا۔

انور نے اپنا سامان اٹھایا اور نیچے آگیا ـــــ

رابعہ کی طرف ایک نظر دیکھا ـــــ اور باہر نکل گیا۔ پریشان سا دفتر پہنچا۔

اقبال صاحب آنکھوں پر چشمہ لگائے قلم سے کچھ لکھ رہے تھے۔

اقبال صاحب آپ گھر جائیے۔ رابعہ کی زندگی خطرے میں ہے۔ انور نے کہا ـــــ

اقبال صاحب اسی وقت چلے گئے۔

جمعرات کا دن تھا ــــــ

اقبال صاحب دو دن بعد دفتر آئے ــــــ بہت ہی پریشان تھے ۔اس کا دل چاہا کہ وہ رابعہ کا حال پوچھے ۔لیکن خاموش ہی رہا ۔

انور بابو ــــــ

جی ــــــ

رشیدہ کہتی ہے کہ کل نورے کی بارات آ رہی ہے ــــــ اور اگر یہ شادی نہ ہوئی تو وہ زہر کھا لے گی ــــــ

رابعہ کی زندگی برباد ہو جائے گی اقبال صاحب ۔

انور بولا ــــــ

جانتا ہوں ــــــ

پھر آپ کچھ کیجئے ــــــ

میں کچھ نہیں کر سکتا ــــــ جوان لڑکی کو لے کر کہاں چلا جاؤں ــــــ اور

پھر وہ چار بچے کہاں جائیں گے ۔

رشیدہ صنم کی بڑی پکی ہے ۔ وہ جو کچھ کہتی ہے ضرور کرتی ہے ۔ میں کچھ نہیں کرسکتا ـــــــ

نہیں اقبال صاحب ایسا نہ کیجئے ۔ نورا ہر گز رابعہ کے لائق نہیں ۔

انور بولا ـــــــ

تو پھر میں کیا کروں ـــــ کیا کروں ـــــ

میں رابعہ سے شادی کے لئے تیار ہوں ـــــــ

انور آہستہ سے بولا ـــــــ

تم ـــــ تم تیار ہو ـــــ

ہاں ـــــ چلئے اسی وقت ـــــ میں تیار ہوں ـــــ

تم نے میری بیٹی کو بچا لیا ـــــ خوش رہو ـــــ میں گھر جاتا ہوں ـــــ تم فوراً آجاؤ ـــــ بس چار پانچ آدمی لے آؤ ـــــ

جائیے آپ ـــــــ

اقبال خوشی سے لڑکھڑاتے قدموں سے گھر چلا گیا اور اس نے دفتر کے چند آدمیوں کو لیا اور رابعہ کے گھر چل دیا ۔

لیکن ـــــــ

ایک طوفان تھا ـــــ جس نے اس گھر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا ۔

چارپائی پر اقبال کی لاش پڑی تھی ۔

محلے والوں نے بتایا کہ رابعہ بھاگ گئی ـــــــ

صبح ہی صبح وہ کہیں چلی گئی ـــــــ

اقبال صاحب جب واپس آئے تو وہ نہیں تھی ۔ جاتے وقت وہ آیا

کے نام ایک خط چھوڑ گئی تھی کہ ——— اسے تلاش کرنے کی کوشش نہ کی جائے
اور صدمے سے اقبال کی موت ہو گئی ہے ———
انور جب وہاں سے آیا تو بہت ہی پریشان تھا۔
پھر اس نے وہ شہر چھوڑ دیا ———
مارا مارا پھرتا رہا ———
کبھی ایک جگہ اور کبھی دوسری جگہ ———
اس کی دو بہنیں بیاہی گئی تھیں اور دو اس عمر میں پہنچ گئیں۔ جہاں بالوں میں چاندی کے تار جھانکنے لگتے ہیں۔
انور نے کئی جگہوں پر نوکریاں کیں ٹیکسی چلائی ——— رکشا ڈرائیور بنا۔ جو کام ملتا کر لیتا ———
ان دنوں وہ ٹیکسی چلایا کرتا تھا ———
جگہ جگہ سواریاں ملتیں ———
وہ ٹیکسی پر دو سواریاں لئے وینس کلب جا رہا تھا ———
وہ دونوں کوئی غیر ملکی تھے۔
وینس کلب اسے روک کر اندر چلے گئے ———
وہ اُتر کر ٹہلنے لگا ———
اس نے دیکھا اس کے سامنے ایک کار آکر رکی۔ کار میں دو آدمی تھے۔
اور ایک لڑکی جس نے بھڑک دار لباس پہن رکھا تھا۔
وہ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ رابعہ تھی۔
وہ آگے بڑھا ———
لڑکی اسے دیکھ کر ٹھٹھکی۔

لیکن دوسرے ہی لمحے ایک آدمی اُس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اندر لے گیا۔
یہ رابعہ نہیں ہو سکتی ——— یہ رابعہ نہیں ہو سکتی ———
تھوڑی ہی دیر میں وہ باہر آرہی تھی۔ اس کے ساتھ وہی آرہا تھا ———
وہ پھر آگے بڑھا۔
وہ اسے دیکھ کر چونکی ———
رابعہ ———
انور بولا ———
اس نے پلٹ کر دیکھا ——— اور بولی ———
انور تم ———
رابعہ ——— رابعہ ——— انور حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔
سناؤ۔ تمہاری بہنوں کے بیاہ ہوئے ہیں یا نہیں ———
رابعہ ہنس کر بولی ———
وہ اب تک اسے خاموشی سے دیکھ رہا تھا ———
کہ اس کا ساتھی بولا ———
آؤ نا ڈرلنگ ——— کہاں اُلجھ گئیں۔
اور رابعہ مسکرا کر اس کے ساتھ کار میں بیٹھ کر ہاتھ ہلاتی چلی گئی۔

بہت سارے مہینے بیت گئے۔

اس نے رابعہ کو نہ دیکھا ــــ حالانکہ ٹیکسی چلاتے ہوئے وہ آس پاس ادھر ادھر نظر دوڑاتا۔

شاید رابعہ اسے نظر آجائے لیکن رابعہ کہیں نہ ملی۔

اسے یاد آیا ــــــــ

ایک اداس سا دن تھا ــــ

سردی سے ٹھٹھرا ہوا ــــــ

شاہی محلے کے ٹیکسی اسٹینڈ پر وہ ٹیکسی کھڑی کئے اس کے قریب ہی چائے والے کی دکان کے چبوترے پر بیٹھا تھا ــــ اس کی تھکی تھکی سی نگاہیں دور خلا میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ جیسے انہیں کسی کا انتظار ہو۔ اس کے کپڑے میلے اور بوسیدہ تھے اس کی عمر تو بتیس سال کی تھی۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زندگی وقت سے پہلے ہی اسے بڑھاپے کی منزل پر کھینچ رہی تھی چہرے پر تیڑھی

ترچھی سلوٹوں کے خطوط نظر آنے کی کوشش کر رہے تھے ۔

بہت دیر گذر گئی ——— نہ اس نے سر کو جنبش دی اور نہ نگاہوں کو حرکت ۔ شاید وہ ایک ہی مرکز پر سوچ رہا تھا ۔

سامنے سڑک پھیلی ہوئی تھی ۔

نہ لوگوں کا ہجوم اس کی محویت میں حائل تھا اور نہ بسوں کی گڑگڑاہٹ اس کی خاموشی کو توڑ رہی تھی ۔

رابعہ جانے کہاں تھی ———

جانے اسے میری شکل بھی یاد نہ ہو ———

لیکن ——— وہ عجیب سی پراسرار تاریکی کی طرح میرے ذہن کے گوشوں میں گھسی ہوئی ہے ۔

بڑی دیر بعد اس نے تھکے انداز میں جمائی لی اور بہت آہستگی سے کہا ۔

تم جانے کہاں ہو ———

اچانک ہی برقعے میں لپٹی دو عورتیں اس کے قریب آئیں ۔

ڈریم لینڈ سنیما چلو گے ———

ایک عورت نے پوچھا ———

اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اگلی سیٹ پر آ بیٹھا ۔

وہ دونوں بھی پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئیں ۔

انور نے اسٹیرنگ گھمایا ——— گاڑی کو جنبش ہوئی اور دونوں عورتوں نے نقاب الٹ دیئے ۔ ———

انور نے شیشہ میں دیکھا ——— تو دیکھتا رہ گیا ———

وہ رابعہ تھی ——— اس کے ساتھ کوئی عورت تھی ۔

وہ خاموشی سے ڈرائیو کرنے لگا۔ کبھی کبھی آئینے میں دیکھ لیتا۔
نیلم خان صاحب کو ساتھ لے لیتے تو اچھا تھا ــــــ
عورت بولی ــــــ
رہنے دو ــــ کیا فرق پڑتا ہے۔
رابعہ جو اس وقت نیلم تھی ہنس کر بولی ــــــ
رات نواب شیر احمد کے ہاں مجرے پر جاؤ گی ــــــ
دوسری عورت بولی ــــــ
سائی تو پکڑا گئے تھے۔ جانا ہی پڑے گا۔
نیلم نے کہا ــــــ
انور کے دل میں ہوک سی اٹھی ــــــ
تو تم یہاں پہنچ گئیں رابعہ ــــــ
وہ صرف سوچ کر ہی رہ گیا ــــــ
نیلم کار کب خرید رہی ہو۔ اب تو بڑا مال آ گیا ہے تمہارے پاس۔
عورت ہنس کر بولی ــــــ
کیا کروں گی کار خرید کر ــــ کوٹھے سے نکل کر کہاں جاؤں گی۔
آج فلم کے لئے بھی تم نے مجبور کیا تو چلی آئی ورنہ سچ پوچھو تو میرا کہیں
آنے جانے کو دل نہیں چاہتا ــــــ
کیوں ــــ عورت نے پوچھا ــــــ
بس یونہی کوئی خاص وجہ نہیں ــــــ
نیلم ــــ ایک بات تو بتاؤ ــــــ
کیا ــــــ

مجھے لگتا ہے تم مطمئن نہیں ہو ـــــ ایسا لگتا ہے کوئی غم تمہاری زندگی میں ناسور کی طرح رس رہا ہے تم مسکراتی ہو تو مجھے تمہاری مسکراہٹ کھوکھلی لگتی ہے ـــــ

نیلم مسکرا دی ـــــ کہنے لگی ـــــ

اصل میں کچھ زخم ایسے ہیں جو مندمل ہو بھی جائیں لیکن اُن میں ایک ٹیس ہے جو ختم نہیں ہوتی۔ نیلم نے بھیگی پلکیں اٹھائیں اور بولی۔ زندگی ایک تکلیف دہ سفر ہے۔

ڈریم لینڈ سنیما میں ٹیکسی رُکی ـــــ

نیلم نے پرس کھول کر پیسے دیئے جب وہ پیسے واپس کر رہا تھا۔ تو نیلم نے اسے غور سے دیکھا ـــــ پہچان لیا ـــــ

انور بابو ـــــ

وہ حیرت سے بولی ـــــ

ہاں ـــــ

اس نے شاکی نظروں سے دیکھا ـــــ

تم سے بہت باتیں کرنا ہیں انور بابو ـــــ کوئی وقت نکال سکو گے۔

نیلم آہستہ سے بولی ـــــ

جہاں تم رہتی ہو میں وہاں شاید نہ آسکوں ـــــ وہ نظریں جھکا کر بولا۔

تو جہاں تم رہتے ہو میں وہاں آجاؤں گی۔

نیلم نے کہا ـــــ

تم وہاں بھی نہ آسکو گی ـــــ

انور بولا۔ ـــــ

وہاں ـــــ وہاں کیا ہے ـــــ

نیلم نے ویران سی آواز میں پوچھا ـــــ

وہاں میری ماں اور بہنیں رہتی ہیں۔

انور نے کہا ـــــ

تو پھر کہاں ملو گے ـــــ

نیلم بے چارگی سے بولی ـــــ

کہیں نہیں ـــــ

انور نے کہا ـــــ

کیوں انور بابو ـــــ کیوں ـــــ

نیلم تڑپ گئی ـــــ

رابعہ مجھے جہاں کہتی میں اسے ملنے چلا جاتا۔

مگر ـــــ نیلم سے میرا کیا تعلق ـــــ

انور دکھ سے بولا ـــــ

جانتی ہوں ـــــ

کیا ـــــ

رابعہ نے تم سے التجا کی تھی کہ اسے بچا لو ـــــ

مگر تم نے ـــــ تمہیں یاد ہو گا تم نے رابعہ کو کیا جواب دیا تھا۔

انور کھو سا گیا۔ کہنے لگا۔ تمہیں کچھ معلوم نہیں۔ انور نے رابعہ کے لئے کیا فیصلہ کیا تھا۔

میں تم سے صرف ایک بار ملنا چاہتی ہوں ـــــ صرف ایک بار۔

آنکھیں بند کر کے میرے کوٹھے پر آ جانا انور بابو

وہ بہت بڑی جگہ ہے ــــ مگر ایک بار ــــ پھر کبھی نہ آنا ــــ
مگر صرف ایک بار ــــ یہ میرا التجا ہے ــــ

انور خاموش ہو گیا ــــ

میں کل صبح تمہارا انتظار کروں گی ــــ

کہتے ہوئے وہ اس عورت کے ساتھ ہال کے اندر چلی گئی۔

اور وہ کچھ دیر وہاں کھڑا رہا ــــ

پھر ذہن پر بوجھ لئے ادھر ادھر پھرتا رہا

رابعہ ــــ نیلم بن گئی ــــ

کیسے ــــ کیوں ــــ کس طرح ــــ

یہ سوال اس کے ذہن میں گردش کرتے رہے۔

وہ گھر گیا تو اس کی ماں نے بتایا کہ جہیز کی وجہ سے اس کی بڑی بہن کی منگنی ٹوٹ گئی ہے۔

پتھر کی ایک بھاری سل سینے پر آ گری ــــ
اور اس بوجھ تلے اس کا سانس گھٹنے لگا۔

دل کی کائنات میں محبوب کی یادوں کا نکھار یوں ہوتا ہے۔ جیسے کسی طویل اور دھوپ سے تپتی ہوئی شاہراہ پر ایک تسلسل کے ساتھ پھیلے ہوئے درختوں کے سائے۔

اور اگر دل میں پیار ہو تو ان ٹھنڈے سایوں میں دیرینہ آرزوؤں اور خوابوں کا کارواں پڑاؤ کرتا ہے۔

انور کے دل کی حالت بھی یہی تھی۔

لیکن کڑوے کسیلے حالات نے اسے زیادہ بے چین کر دیا تھا ——

وہ سوچ رہا تھا ——

رابعہ نے بلایا ہے ——

وہ جائے یا نہ جائے ——

اس نے اپنے جذبوں کو ٹٹولا۔

کیا وہ رابعہ سے محبت کرتا ہے ——

اسے جب بھی رابعہ کا خیال آتا ــــــــ

تو اس کی نظروں میں مسجدوں اور درگاہوں میں آرائش و خوبصورتی کے لئے لٹکائے ہوئے آئینوں کے ٹکڑے گھومنے لگتے جو روشنی کو ایک طرف جذب کر کے دوسری طرف سات رنگوں کی شعاعیں بکھیر دیتے تھے۔

ان آئینوں نے ہی اسے احساس دلایا تھا کہ محبت بھی ایک روشنی ہے جو دل کے پار ہو کر زندگی کو سات رنگوں کی خوبصورتی دیتی ہے۔

مگر ــــــــ

رابعہ ــــــــ نیلم ــــــــ

اس نے آنکھیں بند کر لیں ــــــــ

رابعہ کے ساتھ گلابوں کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے کے اس نے بہت سے خواب دیکھے تھے۔ مگر ان خوابوں کی کیسی تعبیر ہے۔

میں نے تو تصورات کا تاج محل تعمیر کیا تھا۔ اس تاج محل کی ملکہ رابعہ تھی۔ نیلم نہیں تھی ــــــــ

وہ تڑپ اٹھا ــــــــ

اور بے چین ہو کر نیلم کے کوٹھے کی طرف چل دیا ــــــــ

اس بازار سے گزرتے ہوئے اس نے عجیب لوگ دیکھے ــــــــ گندے سڑے ہوئے انسان۔ ایسے لگا جیسے سارے بازار سے ایک بدبو اٹھ رہی ہے ــــــــ

نیلم کا کوٹھا پوچھتے ہوئے وہ پسینے پسینے ہو گیا۔ اور جب وہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچا تو ایک آدمی نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

اور اونچی آواز میں بولا ــــــــ

بائی جی آپ کے مہمان تشریف لائے ہیں۔

انور کو یہ فقرہ تیر کی طرح لگا ——

رابعہ کمرے سے نکلی —— سفید کپڑوں میں تھی۔

آئیے انور بابو ——

اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں تھی۔

وہ اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔

وہ دونوں ہی کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔

دلوں کے اندر طوفان تھا ——

انور نے دیکھا ——

رابعہ کی پلکیں بھیگ رہی ہیں ——

تم کہاں آگئیں رابعہ ——

انور آہستہ سے بولا ——

جہاں قسمت لے آئی انور بابو ——

تم مر جاتیں رابعہ —— لیکن —— لیکن یہاں نہ آتیں۔

انور بولا ——

آپ سے کوئی بات چھپی نہیں انور بابو —— آپ کو پتہ ہے نا —— اماں میری شادی نورے سے کر رہی تھیں۔ اسی لیے میں چلی آئی۔ مگر خدا گواہ ہے مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ دنیا کیسی ہے۔ یہاں ہر جگہ نورے بستے ہیں انور بابو۔ میں وہاں نورے سے بچ کر آئی تھی —— مجھے جس شخص نے سہارا دیا وہ مجھے بہن بنا کر لایا تھا۔ اس نے مجھے کہا تھا کہ وہ مجھے ایسی جگہ لے جا رہا ہے۔ جہاں سکون ہوگا خوشیاں ہوں گی —— وہ کہتا تھا کہ وہ مجھے کہیں کام دلوا دے گا اور پھر

میں اپنے ابّا کو بھی اپنے پاس بلوا سکوں گی ———

مگر انور بابو ———

میرے اس بھائی نے مجھے ایک بہت ذلیل آدمی کے ہاتھ بیچ دیا اور پھر میں بکتی بکاتی یہاں پہنچ گئی۔ اب میں ——— اپنے اندر نہیں جھانکتی۔ اپنی ذات سے کچھ نہیں پوچھتی۔ یہ نہیں سوچتی کہ رشتے کیسے بنتے ہیں۔ بلندیاں اور پستیاں کیسے وجود میں آتی ہیں۔ اور نہ ہی انور بابو ——— کبھی میں نے مستقبل کے بارے میں سوچا ہے ——— میرا کیا ہوگا۔ بس حال میں کھوئی ہوئی ہوں۔ جو کچھ ہو جائے ٹھیک ہے ——— جو کچھ مل جائے غنیمت ہے۔ زندہ ہوں تو کوئی بات نہیں۔ مر جاؤں تب بھی کیا ہوگا ——— اس لئے ——— اس لئے۔ میں رابعہ ہوں۔ نیلم ہوں۔ پتہ نہیں کیا ہوں ——— کون ہوں ——— میرا احساس مر گیا ہے نا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں چلتا۔ حالات جہاں لے جائیں گے چلی جاؤں گی۔

یہاں پر رونق ہے یا تنہائی۔ مجھے کچھ پتہ نہیں۔ یہاں رقص و سرور کی محفلیں جمتی ہیں۔ پازیبیں چھنکتی ہیں۔ مدہوش مدہوش بہکے بہکے سے لوگ آتے ہیں۔ بہت سارے رنگ ہیں۔ کتنی بڑی کائنات ——— کوئی میرا گاہک بن کر آتا ہے۔ کوئی میرے گانے کی تعریف کرتا ہے۔ اور کوئی میری۔ میں ان کی تعریف سے خوش ہوتی ہوں یا خفا ——— یہ بھی مجھے پتہ نہیں ———

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا ———

انور خاموش بیٹھا تھا ———

یہ سناؤ انور بابو تم کیسے ہو ——— تمہارے گھر میں تو سب خوش ہیں نا۔

وہ ایک دم لہجہ بدل گئی ———

ہاں ——— ہاں سب ٹھیک ہے ———

انور کھویا کھویا سا بولا ــــــ

چائے پیو گے انور بابو ــــــ

رابعہ کے لہجے میں التجا تھی ــــــ

وہ ایک دم اٹھی اور چائے کا کہہ کر واپس آ گئی۔

کوئی بات کرو انور بابو ــــــ

رابعہ مسکرا کر بولی ــــــ

انور خاموش سرخ ڈوروں والی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا۔

انور بابو ــــــ ادھر آؤ ــــــ

وہ اسے ایک الماری کے پاس لے گئی ــــــ میں بری عورت سہی ــــــ مگر ــــــ میں چاہتی ہوں تمہارے لئے کچھ کروں ــــــ اور اگر تم نے میری بات مان لی تو ــــــ انور بابو۔ پتہ نہیں مجھے کتنی خوشی ہو۔

وہ الماری کھولنے لگی ــــــ

بہت سارے زیورات۔ بہت سی نوٹوں کی گڈیاں۔ اس نے ایک رومال میں باندھ دیں۔ اور بولی ــــــ یہ لو انور بابو ــــــ تمہیں چار بہنوں کی شادی کرنا ہے نا۔ خدا کے لئے یہ لے جاؤ ــــــ

اس کی نظروں میں التجا تھی ــــــ

یہ ــــــ یہ تم کیا کر رہی ہو ــــــ

انور پریشان ہو کر بولا ــــــ

لے جاؤ نا ــــــ

رابعہ بولی ــــــ

نہیں نہیں ــــــ میں یہ نہیں لے سکتا۔

انور نے ایک نظر رالیہ کو دیکھا ——— اور پھر تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔

اور وہ گٹھڑی رالیہ کے ہاتھ میں پکڑی ہی رہ گئی۔

انور نے مڑ کر بھی نہ دیکھا ———

جیسے وہ باہر نکل رہا تھا تو ایک آدمی اس کے سامنے ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔

بابو جی ———

بخشش تو دیتے جاؤ ———

انور نے اس کی بات جیسے سنی نہیں تھی۔

وہ تیزی سے نکل کر اپنی گاڑی میں آ بیٹھا ———

یونہی گھٹتے گھٹتے بہت سا وقت بیت گیا۔

بمشکل وہ اپنی ایک بہن کی شادی کر سکا۔ اب اسے ایک فلمی رسالے میں ملازمت مل گئی تھی۔

ان ہی دنوں اسے پتہ چلا کہ نیلم بالی نوری کے نام سے فلموں میں کام کرنے لگی ہے۔

اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ پوری فلم انڈسٹری پر چھا گئی۔

اس کا ایک الگ مقام تھا۔ وہ بڑی اچھی آرٹسٹ تھی۔ اس نے اپنے رسالے میں تقریباً سب کے بارے میں لکھا۔ لیکن میڈم نوری کی نہ تو کبھی تصویر شائع کی نہ انٹرویو۔ اور نہ کوئی خبر۔ وہ ہمیشہ اس کا ذکر گول کر جاتا۔

اس بات کو ایڈیٹر نے بھی محسوس کیا اور ایک روز ایڈیٹر نے خود ہی میڈم نوری سے رابطہ قائم کیا اور انور کو لے کر اس کی کوٹھی کی طرف چل دیا ——

انور حکم کا بندہ تھا۔ انکار نہ کر سکا ——

جب وہ دونوں میڈم کی شاندار کوٹھی میں پہنچے۔ تو وہ ٹیلیفون پر بات کر رہی تھی۔

کوئی پروڈیوسر فلم سائن کرنے کے لئے بھی بیٹھا تھا۔

انور نے دیکھا ——

وہ ہلکے گلابی رنگ کی خوبصورت ساڑھی میں بہت اچھی لگ رہی تھی۔
اس کی کلائیوں پر موتئے کے گجرے تھے۔ کھلے بالوں میں موتئے کی لڑیاں جھول رہی تھیں ——

اس کی بات چیت میں وقار تھا ——

ٹیلیفون رکھ کر جب وہ ان کی طرف آئی تو انور کو دیکھ کر چونکی ——

یہ میرے ریڈر ہیں مسٹر انور ——

جی —— بڑی نوازش کی انہوں نے ——

وہ ہنس کر بولی ——

بڑا اچھا لکھتے ہیں ——

ایڈیٹر بولا ——

جی میں جانتی ہوں ——

نوری نے کہا ——

اچھا —— ایڈیٹر حیرت سے بولا۔

ان کی کئی کہانیاں پڑھی ہیں میں نے ——

نوری بولی ——

اچھا اچھا —— پھر تو یہ خوش نصیب ہیں کہ آپ نے ان کی کہانیاں پڑھی ہیں ——

ایڈیٹر بولا ______

انور خاموش بیٹھا رہا ______

انٹرویو کے سلسلے میں حاضر ہوئے تھے۔

ایڈیٹر بولا ______

جی ہاں ____ آپ اپنے سوالات شروع کیجئے۔ مجھے شوٹنگ پہ بھی جانا ہے۔ اصل میں وقت بہت کم ہوتا ہے نا ____

جی مجھے اندازہ ہے ____ ماشاء اللہ اس وقت تو انڈسٹری آپ کے دم سے قائم ہے۔

ایڈیٹر بولا ______

پروڈیوسر نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ کہنے لگا۔ کیا بات ہے جی۔ ان کی پرفارمینس کا تو جواب نہیں ____ سنیما ہال میں ایک ایک فقرے پر پبلک داد دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کرم ہے صاحب۔ ہم تو ٹھہرے اس کے گنہگار بندے۔ نوری نے کہا۔

انور دیکھ رہا تھا ____ کہ رابعہ اور تسلیم کا ____ میڈم نوری سے کوئی مقابلہ نہ تھا ______

میڈم نوری بالکل ایک الگ شخصیت تھی ______

اس کی باتیں ____ باتیں کرنے کا انداز ____ ایک پُروقار سا رکھ رکھاؤ ______

رابعہ اور تسلیم تو پتہ نہیں کون تھیں ____ میڈم نوری میں جو بات تھی وہ ان میں کہاں ______

ہاں تو انور صاحب سوالات کر لیجئے ـــــ ایڈیٹر بولا ـــــ

میں انٹرویو لکھ لوں گا ـــــ میرا مطلب ہے ان کے بارے میں تو اخبارات بہت کچھ لکھ چکے ہیں اور لکھتے رہتے ہیں۔ اس لئے ـــــ کوئی مشکل نہیں۔

انور آہستہ سے بولا ـــــ

یہ بھی صحیح ہے ـــــ

ایڈیٹر نے کہا ـــــ

مگر مجھے اختلاف ہے ـــــ نوری ہنسی ـــــ

آپ اپنے اخبار کی انفرادی حیثیت سے کوئی سوال تو کیجئے ـــــ جو مختلف ہو ـــــ یعنی کوئی بہت انوکھا ـــــ جو کسی نے نہ پوچھا ہو۔

ایڈیٹر اور پروڈیوسر نے قہقہہ لگایا۔

پروڈیوسر بولا ـــــ

واہ واہ کیا بات کی ہے میڈم نے سبحان اللہ ـــــ

واقعی صاحب کوئی سوال کیجئے ـــــ

انور گھبرا گیا ـــــ کہنے لگا ـــــ

انوکھا سا سوال کرنے کے لئے میں آپ سے وقت لوں گا۔

ٹھیک ہے ـــــ

نوری بولی ـــــ آپ بڑے ذہین ہیں۔ انوکھا سا سوال اور تنہائی ضروری ہے ـــــ

اب اجازت چاہیں گے ـــــ

انور جلدی سے بولا ـــــ

جی ـــــ ایڈیٹر نے کہا ـــــ

مگر سنیئے ـــــ میں ایک فلم بنا رہی ہوں۔

مجھے انور صاحب کی ایک کہانی بہت پسند ہے۔ میرا خیال ہے میں

اس پر فلم بناؤں۔

بہت اچھا خیال ہے۔

ایڈیٹر خوش ہو کر بولا ـــــ

تو وہ کہانی لے دیجئے مجھے ـــــ

نوری نے کہا ـــــ

بالکل شوق سے ـــــ کونسی کہانی ہے ـــــ

ایڈیٹر نے پوچھا ـــــ

"بہتے زخم" میرے خیال میں ای وقت ڈن ہو جائے تو اچھا ہے۔

کیونکہ رائٹر لوگ بس اپنی مرضی کے ہوتے ہیں ـــــ

کیا پتہ پھر انہیں ڈھونڈتے رہیں اور یہ نہ ملیں ـــــ

نوری نے انور کی طرف مسکرا کر دیکھا ـــــ

آپ شوق سے بنائیے جی۔ انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ کیا کم خوش

نصیبی ہے کہ آپ جو فلم بنا رہی ہیں اس کی کہانی ان کی ہے۔ اور میں تو چاہتا ہوں

ان کے لئے یہ ایک گولڈن چانس ہے ـــــ

ایڈیٹر کہہ رہا تھا ـــــ

اور نوری اُٹھ کر اندر چلی گئی

ـــــ

جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پچیس ہزار کا چیک تھا ـــــ

کہنے لگی ـــــ یہ پیش کرتی ہوں ـــــ اور کہانی مجھے صبح بھجوا دیجئے گا۔

ایڈیٹر کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
اور پروڈیوسر کو میڈم کی عقل پر حیرت ہو رہی تھی ——
ایک کہانی کا اتنا معاوضہ —— حالانکہ فلم انڈسٹری میں تو کہانی پچاس روپے کی بھی خریدی جاتی ہے۔
ایڈیٹر نے میڈم سے چیک لے کر انور کے ہاتھ میں دیا —— اور بولا —— مبارک ہو ——
انور نے ایک نظر چیک کی طرف دیکھا اور پھر نوری کو واپس کرتے ہوئے بولا ——
مجھے وہ کہانی نہیں بیچنا —— شکریہ ——
وہ باہر نکل گیا ——
اور ایڈیٹر اس کی عقل کا ماتم کرتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے ——
تم تو عجیب پاگل ہو انور ——
ایڈیٹر غصے سے بولا ——
کیوں —— ؟
انور نے پوچھا ——
اتنی بڑی رقم ٹھکرا دی۔ ارے! دیوانے یہ اتنا بڑا چانس تھا کہ ساری عمر عیش کرتے رہتے۔ تمہیں میڈم کی حیثیت کا اندازہ نہیں شاید۔ اگر میڈم تمہاری کہانی پہ فلم بنا لیتی تو تم آسمان پر چڑھ جاتے ——
مجھے کوئی افسوس نہیں ——
انور سنجیدگی سے بولا ——
یہ دقیانوسی کی انتہا ہے ——

ایڈیٹر غصے سے بولا ـــــ

میری مرضی ـــــ

انور بولا ـــــ

مجھے تو تمہارے دماغی توازن پر شک ہونے لگا ہے۔ کہیں کسی دن میرا پیپر ڈانہ کر دینا ـــــ

ایڈیٹر نے کہا ـــــ

ٹھیک ہے جی ـــــ میں آج ہی اپنا استعفیٰ پیش کر دوں گا۔

انور نے کہا ـــــ

ایڈیٹر کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ کہ یہ وہی انور ہے جو پارٹ ٹائم کام کرتا ہے۔ اتنے مسائل ـــــ اور بے نیازی کی انتہا۔

اور اس دن انور نے استعفیٰ دے دیا۔

اور اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ گاؤں آگیا۔ گاؤں میں وہ اسکول میں پڑھانے لگا ـــــ اور کتنے برس بیت گئے ـــــ

میں گاؤں کے اسکول میں پڑھاتا ہوں ـــــ

کبھی اڑی اڑی خبر مجھ تک پہنچ جاتی ہے ـــــ کہ تم میں اب وہ طمطراق نہیں رہا ـــــ تم کہاں ہو ـــــ

تم بیمار رہو ـــــ

اور کل میں نے پڑھا تم اپنی سوانح حیات لکھ رہی ہو ـــــ

اور تم اسپتال میں بیمار رہو ـــــ

نورا لعہ ـــــ

اب میں تم سے دور نہیں رہ سکتا ـــــ اب تمہیں میری ضرورت ہے۔

میں اپنے جذبات اور احساسات کے ساتھ ایک خاموش گھٹی گھٹی سی جنگ لڑ رہا تھا ——

مگر رابعہ —— میں ہار گیا ہوں ——

میں تمہیں نہیں بھول سکتا —— نہیں بھول سکتا ——

تم جیت گئیں رابعہ ——

میں آ رہا ہوں —— میں تم تک پہنچ جاؤں تو تمہیں بتا دوں گا۔ وہ بات جو آج تک تمہیں نہ کہہ سکا۔

کہ رابعہ میں تو تمہارے ہاتھوں میں مہندی رچانے آ رہا تھا ——

میں تم سے بے انتہا پیار کرتا ہوں رابعہ —— میں آ رہا ہوں ——

اس نے جیب میں پڑے پھٹے ہوئے نوٹ کو ٹٹولا۔

اور بس کا ٹکٹ لے کر بس کا انتظار کرنے لگا —— بڑا لمبا سفر تھا۔ گاؤں سے شہر اور پھر ٹرین پر دوسرے شہر اور پھر ہسپتال۔

نرسس ــــــــــ

میڈم نوری کمزور سی آواز میں بولی ــــــــــ

نرس اس کی طرف آئی ــــــــــ

میرے کمرے میں کسی کو نہ آنے دیجئے گا۔ میں کچھ کام کرنا چاہتی ہوں ــــــــــ

مگر میڈم آپ کو آرام کرنا چاہیئے۔

نرس بولی ــــــــــ

مجھے اس کام سے تھکاوٹ نہیں ہو گی۔ تم باہر برآمدے میں کرسی ڈال کر بیٹھ جاؤ ــــــــــ مجھے جب ضرورت ہو گی تمہیں بلوا لوں گی۔

نرس چپ چاپ باہر چلی گئی ــــــــــ

تو اس نے قلم اور کاغذ اپنے سامنے رکھے۔ ہونٹوں پر تبسم تھا ـ آنکھوں کے سامنے بیتا وقت۔

اس نے قلم لیا اور لکھنے لگی ــــــــــ

کتنی بڑی کائنات ہے ـــــ یہ کائنات ـــــ یہ دنیا ـــــ
میری اپنی دنیا ـــــ

نیلگوں پانی کی وہ جھیل ـــــ نیلگوں پانی ہلکے ہلکے مدھم سے سروں میں جلترنگ بجاتا ہوا۔ ڈوبتے سورج میں شفق کی لالیوں میں اٹھکھیلیاں کرتی ہوئی جھیل کے مخملیں سینے پر سبک روی سے بہتی ہوئی لہریں ـــــ جیسے کائنات کی نبضیں ڈوب رہی ہوں اور ڈوب کر ابھر رہی ہوں۔

میں بھی ایک لہر تھی ـــــ
سبک سی لہر ـــــ

جس کی صبحیں زندگی بخش۔ راتیں حیات آفریں۔ شامیں کھیلتے کودتے اور راتیں نانی اماں کی گود میں کہانی سنتے، پرسکون تھیں۔

نانی اماں بہت بوڑھی تھیں۔ لیکن پھر بھی ان کے چہرے پر پیار کا ایک سمندر موجیں مارتا۔

وہ نانی اماں کے ساتھ جھیل پر جاتی تو ساتھ دلہنوں کی طرح سجے ہوئے بادبان بوٹوں میں چہکتی مہکتی زندگی تھم دور ساں سے دور نظر آتی۔

یہ زندگی بھی کیا عجب شئے ہے کہیں ببول اور کہیں کنول کا پھول۔
کنول کے لال پیلے اور سفید پھول تا حد نظر جھیل کی چھاتی پر یوں پھیلے ہوئے تھے جیسے بہت بڑے روپہلے منقش تھال پر قطار اندر قطار ہزاروں دہکتے دیئے سجا کر رکھ دیئے گئے ہوں۔

ایک بہت بڑی جھیل ـــــ ایک بہت بڑے دیوتا کے حضور ـــــ
تو کیت کا دیوتا ہے ـــــ
میں اس دنیا کی دیواروں کے در ہیں۔ کئی ... ہیں کیسے

سارے لوگ بمطلب پرست۔ ملک کے دشمن۔ سماج کے دشمن۔ کمینہ پرور۔
بے وفا اور جانے کون کون ——— میں ان سب کو پہچانتی ہوں۔ جانتی ہوں۔
اور اپنے آپ کو بھی جانتی پہچانتی ہوں۔ حالانکہ اپنے آپ کو جاننا اور پہچاننا
کس قدر مشکل ہے۔ لیکن میں ان کی بات کروں گی جو میری دنیا میں رہتے
آئے ہیں۔

میری دنیا ———

وہ جھیل مجھے کبھی نہیں بھولتی اس کے مشرقی کنارے پر کھڑی پہاڑی
کے پہلو میں شام کے دھندلکوں میں سوئے ہوئے پری محل کے ویران
ویران کھنڈر مجھے آج بھی یاد ہیں۔

پری محل کی مجھے نانی اماں سے کہانیاں سنائی تھیں۔
شگفتہ کلیاں جیسی کہانیاں ———

نانی اماں کی آواز بہت ہی گمبھیر سی تھی۔ مگر اس آواز کا پیار آج تک
اس کے وجود میں رچا بسا ہے۔

اور پھر دھیرے دھیرے اسے نیند آجاتی اور نانی اماں اسے سینے
سے لگائے سو جاتیں۔

رابعہ میری جان ہے ——— رابعہ میری زندگی ہے ———

جب میں روٹھ جاتی تو نانی اماں کتنے پیار سے مجھے منانے کے جتن
کیا کرتیں۔ مجھے یاد آیا۔

ایک دن میں نے اپنے چپل لینے کی ضد کی تو نانی اماں نے ٹال دیا۔
مگر میں روٹھی رہی ——— نہ کھانا کھایا ——— نہ دودھ پیا۔ بس منہ پھلائے
کوٹھری میں بیٹھی رہی۔ رات میں آکر میں نے اپنی گڑیوں کی پٹاری بھی پھینک دی۔

تب نانی اماں نے جانے کہاں سے پیسے ادھار لئے اور مجھے اسپنج کی چپل لا کر دیں اور میں سارا دن گھس گھس کر چلتی رہی ــــــ

نانا آبا پہاڑ کے رہنے والے تھے ان کی ایک ہی بیٹی تھی ریشماں ــــــ جو میری ماں تھی ــــــ

میری ماں ریشماں ــــــ نانی اماں کہا کرتی تھیں وہ بہت خوبصورت تھی۔ اس کا رنگ ایسا تھا جیسے سرخ سرخ انار۔ وہ بھی مزدوری کرتی تھی۔ اور ایک دن اقبال پہاڑ پر آیا۔ ریشماں کو دیکھ کر اس نے ریشماں کے باپ سے اسے مانگ لیا ــــــ اور پھر ریشماں اقبال کے ساتھ شہر چلی گئی۔ جہاں میں پیدا ہوئی ــــــ میں تین سال کی تھی کہ وہ مر گئی۔

میرے ابا مجھے نانی اماں کے پاس چھوڑ گئے۔

میں نانا کے کندھوں پر بیٹھی۔ ادھر ادھر گھومتی رہتی۔ گرمیوں کا سیزن شروع ہوتا۔ تو نانا کی ڈانڈی بہت مصروف ہو جاتی ــــــ شہری لوگوں کے لال پیلے سوئٹروں والے بچے ڈانڈی پر بیٹھتے تو مجھے بہت غصہ آتا۔ لیکن نانا جب مجھے گھر لاتا تو میں بھی ڈانڈی پر بیٹھ کر اپنے آپ کو ویسا ہی کچھ تصور کرتی ــــــ

اور پھر ایک دن نانا پہاڑ سے گر کر مر گیا ــــــ

نانی اکیلی رہ گئی ــــــ

اس نے ڈانڈی کرائے پر دے دی ــــــ غریب لوگوں کی خواہشات بڑی کم۔ وہ ہوتی ہیں۔ بس دو وقت روٹی مل جائے یہی بہت ہوتا ہے ــــــ

نانی اماں نے اسے اسکول میں داخل کر دیا ــــــ وہ اپنے کورے گالوں پر سیاہی کی لکیریں ڈالے جب اسکول سے واپس آتی تو نانی اماں اسے گود لے کر اسے پیار کرتیں۔

مگر ایک روز ابا شہر سے آ گئے۔

میں شہر جانے کے تصور سے خوش تھی اور نانی اماں کی آنکھوں میں آنسو تھے ——

مگر میں ابا کے ساتھ شہر آ گئی۔

کچھ ہی دنوں بعد خط آیا کہ میری نانی مر گئی ——

مجھے دکھ ہوا —— لیکن ابا بھی مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس لئے میں نانی کو بڑی جلدی بھول گئی۔

ابا دفتر میں خوش نویس تھے۔ جب دفتر جاتے تو مجھے ہمسایوں کے ہاں چھوڑ جاتے۔

واپس آتے ہوئے مجھے ساتھ لے آتے۔

اس کے بعد میں ابا کے گلے کا ہار ہوا کرتی۔ عجیب عجیب سی ضدیں کرتی۔ اور ابا سب پوری کرتے۔

ایک دن اچانک ہی رشیدہ کالی کالی باہوں پر موتیے کے گجرے پہنے دلہن بن کر اس گھر میں آگئی ——

ابّا بہت خوش تھے۔

چونکہ صبح سے ابّا نے اس پر توجہ نہ دی تھی۔ اس لئے وہ سارا دن پریشان پریشان بیزار بیزار سی اپنے آپ سے اکتائی اکتائی سی پھرتی رہی ——

رشیدہ کی پہلی نظر ہی اتنی تیز تھی کہ اسے اپنے بدن میں چیونٹیاں سی چلتی محسوس ہونے لگیں۔

رشیدہ نے سب سے پہلے اس کا اسکول چھڑایا اور گھر کے کام پر لگا دیا۔
اسے کچھ بھی نہیں آتا تھا۔ چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے جب وہ برتن مانجھتی تو برتن پر راکھ اسی طرح باقی رہ جاتی۔
آٹا گوندھتی تو پانی زیادہ پڑ جاتا۔
روٹی پکاتی تو آٹا توے سے چپک جاتا ——

اس پر وہ مار کھاتی ۔۔۔

رشیدہ نے اسے کام پر جوت دیا ۔۔۔

وہ آنکھوں میں آنسو بھرے کام کرتی رہتی ۔۔۔

جب تھکی ہوئی سونے لگتی تو رشیدہ اپنے پیر دبواتی ۔۔۔

رات اکیلے سوتے اسے بڑا ڈر لگتا ۔۔۔

کئی بار وہ اٹھ کر رونے لگتی ۔۔۔

تو آدھی رات کے وقت رشیدہ کی صلواتیں سنائی دیتیں ۔۔۔

یہ موئی تو چین سے سونے بھی نہیں دیتی ۔۔۔

اسے یاد آیا ۔۔۔

ایک دن ابا اس کے پاس آئے ۔

اور بولے ۔۔۔

کیا ہے رابعہ ۔۔۔

رابعہ کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بہنے لگے ۔۔۔

بولو بھی رابعہ کیا ہوا ۔۔۔

وہ ابا ۔۔۔ وہ ۔۔۔ مجھے ۔۔۔

کہو بھی کچھ ۔۔۔ مجھے نیند آرہی ہے ۔۔۔

ابا نے اس کے سر پہ پیار سے ہاتھ پھیرا اور بولے ۔۔۔

ابا مجھے ڈر لگتا ہے ۔۔۔

سو جاؤ بیٹی ۔۔۔ کلمہ پڑھ کر سو جاؤ ۔۔۔

آپ مجھے اپنے پاس سلا لیں ابا ۔ مجھے ڈر لگتا ہے ۔

وہ روتی ہوئی ابا سے چمٹ گئی ۔

دیکھ لو ــــ یہ تو سوت سے بدتر ہے ــــ میں تو کہتی ہوں
اتنا جلتی ہے مجھ سے کہ کیا بتاؤں ــــ

رشیدہ جل کر بولی ــــ

بچہ ہے نا ــــ ڈر لگتا ہے اسے ــــ

یہ بچہ ہے ــــ اس کی عمر کی لڑکیاں تو اتنی سگھڑ ہوتی ہیں کہ کیا بتاؤں ۔
مگر یہ تو پھوہڑ ہے ۔ نہ کام کی نہ کاج کی بس کھانے کو دے دو ۔

رشیدہ کا جو جی چاہتا کہتی ــــ

اور ابا تو نئی شادی کے چاؤ میں تھے ۔
اسے بھولتے ہی گئے ــــ رشیدہ ان پر حاوی ہو گئی اور یوں
وہ ڈر ڈر کر سہم سہم کر زندگی گزار رہی تھی ۔

رشیدہ کا بیٹا ہوا ــــ تو ابا بہت خوش تھے ۔
سارا دن کالے کلوٹے سے بچے کو لئے بیٹھے رہتے ــــ
اور رابعہ اس بچے کی گندگی دھوتی رہتی ــــ
ابا اس سے بالکل بے خبر ہو گئے تھے ۔
اس کے پاؤں میں جوتی نہیں تھی ۔ سر میں کئی کئی روز کنگھی نہ ہوتی تو بال
بگڑ گئے ــــ
کپڑوں پر لگے چیتھڑے بھی پھٹ گئے تو اس کا گورا گورا بدن باہر جھانکنے لگتا ۔
پڑوسن نے ترس کھا کر اسے اپنی بیٹی کے پرانے کپڑے دے دیئے تو کچھ دن
تن ڈھانپنے کا آسرا ہو گیا ــــ
اسے یاد آیا ایک روز پڑوسن نے اسے بلوا کر قینچی سے اس کے جٹے بال
کاٹ کاٹ کر اس کے سر میں کنگھی کی تھی تو رشیدہ نے اسے بڑی جھاڑ دے دی تھی ۔

دری کی ساری مٹی نے پھر اسے بھوت بنا دیا تھا۔

رشیدہ نے پانچ سالوں میں ہی گھر بچوں سے بھر دیا۔ اب اس کے چار بچے تھے۔

اور وہ یوں مار کھاتی۔ جھڑکیاں سنتی جوان ہوگئی۔ اس کی خوبصورتی رشیدہ کے لئے سب سے بڑی جلن تھی۔

رشیدہ کے چاروں بچے۔ تیلے، بیمار اور کالے کالے۔ بھدے بھدے نقوش والے تھے۔

اور رابعہ اس گھر میں یوں لگتی۔ جیسے کالے کالے دیوؤں نے ایک پری قید کر رکھی ہو۔ اور یہی انفراد یت اس کے لئے قیامت سے کم نہ تھی۔

پڑوسن والی خالہ بڑی اچھی تھی جب رشیدہ ادھر ادھر ہوتی تو وہ اکثر دیوار کے پار کھڑی ہو کر اس سے اچھی اچھی باتیں کرتی —— تھوڑا بہت پڑھنا لکھنا اسے آتا تھا۔

خالہ کی بیٹی سے وہ کتابیں لے لیتی اور راتوں کو چھپ کر پڑھتی رہتی ——

بس یہ پڑوس والی خالہ تھی جو جلتے جلتے انگاروں میں اس کے لئے ٹھنڈک تھی ——

ورنہ رشیدہ کے مزاج میں تو ہر وقت دوزخ کی گرمی بھری رہتی ——

جون کی تپتی دوپہر کی حبس سے گھبرا کر وہ برآمدے میں چلی آئی ۔

رشیدہ اپنے بچوں کے ہمراہ اندر کمرے میں تھی پنکھا چل رہا تھا اور وہ بچوں کے ساتھ سو رہی تھی لیکن رابعہ کی کوٹھڑی میں حبس ہی حبس تھا ۔

برآمدے میں کچھ ٹھنڈک تھی ـــــ کچھ گرمی نے کچھ اکتاہٹ نے اسے بےقرار کیا ہوا تھا ۔ آسمان پر بادلوں کے سیاہ ٹکڑے منڈلا رہے تھے مگر برسنے کی کسی میں ہمت نہیں تھی اس کی آنکھوں میں بھی ایسے ہی بادل تھے جو برسنا چاہتے تھے لیکن برس نہ پاتے اور حبس بڑھتا جا رہا تھا ۔

اکتاہٹ میں اضافہ ہو رہا تھا ـــــ

بے چینی اور چڑچڑاپن کچھ اور تیز ہو گیا ۔ اکتا کر اس نے صحن کی کچی دیوار پر نظریں جما دیں ۔

چیونٹیوں کا ایک قافلہ تھا ـــــ

وہ قریب چلی گئی ۔ اور چیونٹیوں کے اس قافلے کو انہماک سے دیکھنے لگی جو تھا ۔

کے دانوں کو لے جانے میں مصروف تھا۔

ننھی ننھی چھوٹی چھوٹی کمزور جانوروں کا یہ قافلہ پاس کی پستیوں سے بہت دور ہمت کی بلندیوں کی طرف گامزن تھا۔ قطار در قطار بے شمار چیونٹیاں اپنی غذا سمیٹے آگے کی طرف رواں دواں تھیں۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی ہی دھن میں مگن ——

کتنا سکون ہے اس کارواں میں ——

اچانک وہ چونک گئی ——

کمزور سی ایک چیونٹی سوراخ کے قریب آکر رک گئی۔ رُخ دوسری طرف پھیر لیا اور پھر جیسے راستہ بھول گئی ——

دوسرا قافلہ آگے بڑھتا ہوا سوراخ میں داخل ہو رہا ہے اور چیونٹی بے چاری اکیلی رہ گئی منزل کی تلاش میں۔ اپنے ساتھیوں کی تلاش میں —— اور کارواں کی تلاش میں۔

لیکن وہ بے چاری بھٹک رہی تھی۔

اسے کارواں نہ ملا —— ساتھی دور ہو گئے۔ منزل گم ہو گئی۔

میں نے ننھی سی کمزور چیونٹی کو انگلی کے سہارے لے سوراخ تک پہنچایا۔

کیا پتہ اس بھولی بھٹکی چیونٹی کو اس کی منزل مل جائے۔ اس کا کارواں مل جائے۔

مگر ——

مجھے بھی کوئی کارواں ملے گا ——

لیکن میرا تو کوئی کارواں نہیں۔ کوئی منزل نہیں۔

وہ پریشان سی ہو کر اٹھ گئی ——

آپا کہاں ہے ــــــ

اس کی محویت ٹوٹی ۔

سامنے رشیدہ کا بھائی نورا کھڑا تھا ۔

نورے سے وہ بہت ڈرتی تھی ــــــ

نورا تھا ہی کچھ ایسا ــــــ تنگ موری کا پاجامہ ــــــ اور کڑھائی والا کرتہ ــــــ گلے میں لال رنگ کا مفلر ۔ اور بالوں میں ڈھیر سارا تیل ڈالے ۔

چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں سرمہ لگائے جب وہ تیکھی نظروں سے رابعہ کو دیکھتا تو رابعہ کی جان نکل جاتی ۔

بتاتی کیوں نہیں ہو ــــــ آپا کہاں ہے ۔

نورا مسکرا کر بولا ــــــ

وہ ــــــ وہ کمرے میں سو رہی ہے ۔

اچھا ــــــ تو یہاں کیا کر رہی ہے

نورا ذرا قریب ہو کر بولا ــــــ

میں ــــــ کچھ نہیں ــــــ کچھ بھی تو نہیں ــــــ

تو تو دنوں میں جوان ہو گئی رابعہ ۔

نورا ہنس کر بولا ــــــ

وہ خاموشی سے وہاں سے جانے کو تھی کہ وہ قریب آگیا ۔

کہنے لگا ــــــ

بڑی ظالم ہے تو ــــــ کبھی تو ہنس کے بول لیا کر ــــــ

تمہیں مجھ سے ایسی باتیں کرتے شرم نہیں آتی ــــــ

رابعہ گھبرا کر بولی ــــــ

سرم ــــ سُنا نہیں تم نے جس نے کی سرم ۔اس کے چھوٹے کرم اور میں اپنے کرم چھوڑنا نہیں چاہتا

اس نے آگے بڑھ کر رابعہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

چھوڑ مجھے ــــــ

رابعہ کی گھٹی گھٹی سی آواز نکلی ــــــ

مسور کیوں کرتی ہے ری ــــ جرا ہاتھ پکڑ لیا ہے ۔

کاٹ تو نہیں کھایا تہیں ــــ

نورا اپنا منہ اس کے قریب لا کر بولا ۔

عین اس وقت پڑوس والی خالہ دیوار کی آڑ سے لگی ــــ

تو نورے نے رابعہ کا ہاتھ چھوڑ دیا ــــــ

یہ کون ہے ــــــ

خالہ بولی ــــــ

اور جواب میں رابعہ رو دی ــــــ

یہ اچھا اندھیر ہے ــــ

خالہ ذرا زور سے بولی ــــــ

شور سُن کر رشیدہ بھی کمرے سے نکل آئی ۔

کیا ہو گیا ــــ کون مر گیا ہے تمہارا ــــ کیوں ٹسوے بہا رہی ہو۔

رشیدہ رابعہ کو دیکھ کر بولی ۔

کچھ بھی نہیں آپا ــــ میں تھا ــــ جرا مذاق کیا تو رونے لگی ۔

نورا ہنس کر بولا ــــــ

اے تو اس میں رونے کی کیا بات ہے ــــ اتنی ہی نازک ہو گیا ــــ

رشیدہ بہن خدا کا خوف بھی کوئی چیز ہے۔ جوان جہان لڑکی ہے یہ حرکت اس آدمی کو زیب دیتی ہے کیا ــــــ

خالہ نے کہا ــــــ

کیا ہو گیا بہن ــــــ

کیا قیامت آگئی ہے ــــــ ہاتھ پکڑ لیا تو یہ کیا مر گئی ہے ــــــ

رشیدہ نے غصہ سے رابعہ کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں سے موٹے موٹے آنسو بہے چلے جا رہے تھے۔

مگر رشیدہ کچھ سوچو تو سہی ــــــ جوان لڑکی سے تمہارا بھائی اس طرح مذاق بھی کرے تو کیا اچھی بات ہے۔ رابعہ سوتیلی سہی مگر ــــــ تمہارے میاں کی غیرت ہے۔

خالہ رنجیدہ سی رابعہ کو دیکھ کر بولی ــــــ

ہم اپنے ذاتی معاملوں میں کسی کا دخل پسند نہیں کرتے اس گھر میں وہی ہوگا جو میں چاہوں گی۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ آپ اس کی ہمدردی کیوں کرتی ہیں۔

رشیدہ لڑنے پر اتر آئی۔

ہمارے دل میں خدا کا خوف ہے اس لئے ہمدردی کرتے ہیں اور ہمیں کونسا لالچ ہے۔

خالہ نے کہا ــــــ

میں سمجھتی ہوں۔ یہ آفت کی پرکالہ تمہارے گھر جا کر میری برائیاں جو کرتی ہے۔

آج سے پر جا کر تو دیکھے تمہارے گھر ــــــ اور یہ بھی سن لو رابعہ تمہیں یہ بھی تو رافو ملے گا اور دو دن میں سیدھا کر لے گا۔

بڑی آگئی حمایتی بنانے والی ——

رشیدہ نے کمر پر ہاتھ رکھ لئے اور رابعہ کی طرف جھپٹی ——

خالہ بے چاری کیا کرتی —— یہ منظر دیکھ نہ سکی۔

نیچے اتر گئی ——

اور رابعہ نے اندر جاکر کوٹھڑی کا دروازہ بند کرلیا اور اسی واقعے کے ساتھ ساتھ خالہ کے ہاں جانا بھی بند ہو گیا ——

نورا روز آتا۔ اسے ٹیڑھی نظروں سے دیکھتا۔

مگر رابعہ اب جس وقت بھی نورا آتا اپنے کمرے میں گھسی جاتی تھی۔ لیکن ایک روز وہ رابعہ کی کوٹھڑی میں آگیا تو رابعہ کے لئے برداشت کرنا مشکل ہو گیا۔ وہ بھاگ کر پڑوس والی خالہ کے ہاں چلی گئی۔ اس روز وہ رات تک وہیں رہی۔

خالہ نے اقبال صاحب کو گھر بلا کر سب کچھ بتایا۔ رابعہ نے رو رو کر ابا کو بتایا کہ نورا اسے کتنا تنگ کرتا ہے۔

اقبال بہت ہی دکھی ہوئے اور رابعہ کو گھر لے آئے۔

رشیدہ اس دن بہت برہم تھی ——

لیکن ابا خاموش تھے وہ اسے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے البتہ رابعہ کو گلے لگا کر ان کے آنسو نکل آئے اور اسی طرح گھٹ گھٹ کر وہ یہ سارے ظلم دھندلائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتی رہی سہتی رہی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ پاگل ہو جائے گی۔

کپڑے دھو کر وہ چھت پر لے آئی اور نچوڑ نچوڑ کر سوکھنے کے لئے پھیلا رہی تھی کہ ایک پتنگ اس سے آکر الجھ گئی ـــــــــ

ابھی وہ پتنگ کے دھاگے سلجھا رہی تھی کہ ایک نوجوان دوسری چھت سے اس طرف کود گیا۔

وہ اسے جانتی تھی۔ وہ تیسرے مکان کے اوپر والے حصّے میں کرایہ دار تھا ـــــــــ

ہمیشہ چھت پر کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہتا ـــــ

یہ میری پتنگ ہے بہن ـــــــ

وہ اس کے قریب آکر بولا ـــــــ

بہن کے لفظ میں اتنا پیار تھا۔ اور رابعہ تو تھی ترسی ہوئی لڑکی ـــــــ

اس نے تڑپ کر نوجوان کی طرف دیکھا ـــــــــ

کاش میرا کوئی بھائی ہی ہوتا ـــــ کتنا پیار کرتا مجھ سے ـــــ

ایک لمحہ کے لئے اس نے سوچا ___ اور پھر مسکرا کر پتنگ نوجوان کو دے دی ___

شکریہ بہن ___

نوجوان بولا ___

رابعہ کی آنکھیں جھلملا گئیں ___

آپ سارا دن کام کرتی ہیں میں دیکھتا رہتا ہوں ۔ کیا آپ کا کوئی بھائی نہیں جو آپ کا ہاتھ بٹا سکے ۔

نوجوان بولا ___

نہیں ___

رابعہ کی آواز بھرا گئی ___

میری بھی کوئی بہن نہیں ___ آپ میری بہن بن جائیں نا ___

نوجوان بولا ___

رابعہ اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہ گئی ___

مجھے آپ بڑی اچھی لگتی ہیں ___

رابعہ گنگ سی کھڑی تھی ___

میرا نام آصف ہے اور میں اس مکان میں رہتا ہوں میرا دنیا میں کوئی نہیں بس تمنا ہے کہ کوئی آپ جیسی بہن ہوتی جو میرے کپڑے دھوتی ___ میرے لئے کھانا پکاتی ___ میرے لئے دعائیں کرتی ___

رابعہ بڑے پیار سے اس کی باتیں سن رہی تھی ___ اور وہ بولے جا رہا تھا ___

آپ کو بہن سمجھ لوں میں ___

بھیا ـــــ رابعہ آہستہ سے بولی ـــــ
تو آپ نے مجھے بھیا کہا ہے تو وعدہ کریں کہ میرے گھر آئیں گی ـــــ
آصف خوش ہو کر بولا ـــــ
میں تمہارے گھر نہیں آ سکتی ـــــ
وہ دکھ سے بولی ـــــ
کیوں ـــــ؟
مجبور ہوں ـــــ میری ماں مجھ پر بڑی سختی کرتی ہیں۔
وہ جانے کیا سمجھیں ـــــ
اوہ ـــــ آپ تو واقعی مجبور ہیں ـــــ مگر ـــــ مگر ـــــ خیر۔
فکر نہ کرو بہن ـــــ جب بھائی بنا ہوں تو اپنی بہن کو ان دکھوں سے ضرور چھڑاؤں گا۔ آپ حیران ہوں گی کہ مجھے آپ کے بارے میں معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں۔ اصل میں سارے محلے میں آپ کا چرچا رہتا ہے کہ آپ مظلوم ہیں اور آپ پر آپ کی سوتیلی ماں بہت ظلم کرتی ہے۔
رابعہ کی آنکھیں بھر آئیں ـــــ
اری کیا اوپر ہی جنازہ نکل گیا تمہارا ـــــ اتنی دیر سے کیا کر رہی ہو۔
نیچے سے رشیدہ کی آواز آئی تو وہ گھبرا گئی۔
صبر کرو رابعہ ـــــ اچھے دن ضرور آئیں گے۔
آصف نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور اپنی چھت کی طرف چلا گیا۔
اس نے ایک نظر آصف کو دیکھا اور نیچے اتر گئی۔
کیا ہو گیا تھا۔ اتنی دیر کیوں لگا دی۔
رشیدہ نے پوچھا ـــــ

کپڑے پھیلا رہی تھی ـــــ

وہ آہستہ سے بولی ـــــ

میں دیکھ رہی ہوں۔ تم میری بات کا بہت مختصر جواب دیتی ہو۔ مجھے

یہ بتاؤ میں پاگل ہوں ـــــ

رشیدہ نے پوچھا ـــــ

جو کچھ کہہ رہی تھی بتا دیا ـــــ اب اور کیا بتاؤں اماں۔

آپ تو بس پیچھے پڑ جاتی ہیں۔

رابعہ آہستہ سے بولی ـــــ

تم ٹھیک کہتی ہو ـــــ میں تمہارے پیچھے پڑ جاتی ہوں۔

اری پیچھے تو تم پڑی ہو میرے ـــــ پتہ نہیں کب جان چھوڑے گی تم سے۔

رابعہ نے میلے کپڑے اٹھائے اور گٹھڑی باندھنے لگی۔

یہ باندھ کیوں رہی ہو ـــــ

دھوبی کو دھو کر ڈالو ـــــ

رابعہ نے بے بسی سے دیکھا اور گٹھڑی اٹھا کر نل کے پاس چلی گئی۔ ذہن میں آصف کی باتیں تھیں۔

آصف اسے بہت اچھا لگا یوں جیسے اپنا بھائی ہو ـــــ

آصف اسے روز ہی ملتا ———

وہ بھی رشیدہ کی آنکھ بچا کر چھت پر چلی جاتی ———

آصف اسے ہمیشہ انتظار کرتا ملتا ——— اس سے بڑی اچھی اچھی باتیں کرتا ——— وہ اس سے یوں پیار کرتا جیسے واقعی وہ اس کی سگی بہن ہو ———

ایک روز وہ اس کے لئے چوڑیاں لے آیا ———

وہ چوڑیاں رابعہ نے اپنے صندوق میں کپڑوں کے نیچے چھپا دی تھیں اس کا بڑا دل چاہتا کہ وہ آصف کی لائی ہوئی لال لال چوڑیاں پہنے اور چھن چھن کی آواز سُن کر وہ اپنی زندگی کے جلتے لمحوں کو ٹھنڈک پہنچائے ——— مگر اس کی یہ خواہش دل میں ہی رہ گئی ——— وہ اگر یہ چوڑیاں پہن لیتی تو رشیدہ کی نظروں سے کیسے بچا سکتی تھی اور پھر رشیدہ کو پتہ چل جاتا اور آصف جیسا بھائی بھی کھو جاتا۔

اس لئے وہ روزانہ چوڑیوں کو دیکھ لیتی ———

آج جب وہ چھت پر آئی تو آصف مٹی پر بیٹھا تھا۔
بڑا انتظار کروایا آج رابعہ ——
بس موقع ہی نہیں ملا ——
رابعہ مسکرا کر بولی۔
دیکھو تو میں اپنی بہن کے لئے کیا لایا ہوں ——
آصف نے لفافہ سے دوپٹہ نکالا —— بڑا خوبصورت دوپٹہ تھا۔ کہیں کہیں تارے ٹکے ہوئے تھے۔
کیوں لائے ہو بھیا —— تمہیں تو پتہ ہے نا میں اسے اوڑھ نہیں سکوں گی ——
رابعہ دکھ سے بولی ——
مجھے پتہ ہے —— مگر کیا کروں —— بازار جاتا ہوں طرح طرح کی چیزیں دیکھتا ہوں۔ جی چاہتا ہے ساری کی ساری دنیا رابعہ بہن کے لئے لے لوں۔ مگر تمہاری مجبوریاں دیکھ کر گھٹ جاتا ہوں —— کیا کروں ——
آصف نے کہا ——
تم میرے لئے کچھ نہ لایا کرو بھیا۔ بس تمہارا پیار ہی میرے لئے بہت کچھ ہے ——
دل نہیں مانتا بہن —— کیا کروں —— میرا بس چلے تو دنیا کی تمام اچھی اچھی نعمتیں بہن کو سمیٹ کر دے دوں ——
رابعہ مسکرا دی ——
رابعہ بہن ——
آصف کچھ سوچ کر بولا ——

کیا ہے بھیا ——

میں سوچتا ہوں کہ آخر کب تک یوں ہی دکھ سہتی رہو گی۔

جب تک مقدر میں جینا باقی ہے

رابعہ دکھ سے بولی ——

یہ تو کوئی بات نہ ہوئی —— تم چاہتے تو ابا کو بتا سکتی تھیں ——

ابا بھی بس بیوی کے غلام ہیں۔ وہ بھی تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتے ——

نہیں نہیں میرے ابا بہت اچھے ہیں۔

رابعہ نے کہا ——

اچھے ہوتے تو تم اتنی دکھی نہ ہوتیں کولھو کے بیل کی طرح دن رات

کام نہ کرتیں —— وہ چاہتے تو تمہاری ماں کو نکال باہر کرتے۔

آصف بولا ——

وہ مجبور ہیں ——

رابعہ نے کہا ——

وہ گھر کے مالک ہیں۔ جو چاہیں کر سکتے ہیں —— میں نے ایک

بات اور بھی سنی ہے ——

آصف بولا ——

کیا ——

یہی کہ تمہاری اماں تمہیں اپنے بھائی لورے سے بیاہنے کا سوچ رہی ہیں۔

رابعہ خاموش ہو گئی ——

اب خدا کے لئے یہ ظلم نہ ہونے دینا —— میں تو کہتا ہوں میرے ساتھ

شہر چلی چلو۔ وہاں میں کماؤں گا اور تم گھر میں عزت سے رہنا اور پھر میں اپنی بہن

کے لئے شہزادوں جیسا دولہا ڈھونڈ کر لاؤں گا اور خود اپنے ہاتھوں اپنی بہن کو ڈولی میں بٹھاؤں گا ——

نہیں نہیں بھیا —— یہ نہیں ہو سکتا —— میں اپنے ابا کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی —— رابعہ کانپ گئی ——

یہ تمہیں میں کب کہہ رہا ہوں۔ ابا کو بھی ساتھ لے چلیں گے ——

مگر ابا کیسے جا سکتے ہیں ——

نیچے سے آواز آئی اور رابعہ جلدی سے نیچے اتر آئی ——

رشیدہ بچوں کو لے کر میلاد میں جانے کی تیاری کر رہی تھی —— اسے گھر کا کام نپٹانے کی نصیحتیں کرتی ہوئی رشیدہ باہر نکل گئی —— اور اس نے چین کا سانس لیا ——

شہزادوں جیسا دولہا —— آصف کے الفاظ اس کے کان میں گونج رہے تھے۔

وہ برتن دھو رہی تھی کہ اس نے دیکھا ______۔

آپا کے ساتھ ایک شہزادہ تھا ______

آپا اسے لے کر اندر آ گئے ______

رابعہ بیٹی ______ تمہاری اماں کہاں گئی ہیں۔

وہ آپا۔ بچوں کو لے کر میلا دیں گئی ہیں ______

وہ راکھ سے اٹے ہوئے ہاتھ دھو کر بولی ______

اچھا پھر کھانا دے دو ______ سالن تو پکا ہی ہوگا۔

روٹیاں ڈال لو ______

رابعہ جھجک گئی ______

آ جاؤ ______ انور یا پوا اپنے ہی آدمی ہیں۔

وہ سہمی سمٹی سی چولھے کے پاس آ گئی۔ جلدی جلدی آگ جلائی توا رکھا اور آٹے کی سینی اپنے سامنے رکھ کر مہمان کی طرف دیکھا جو چارپائی پر بیٹھا آپا سے

باتیں کر رہا تھا۔

کھانا تیار کر کے اس نے ابا کو ٹرے پکڑا دیا۔

وہ کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے چائے کا پانی رکھ دیا۔

جانے کیوں ـــــــ کس لیے ـــــــ وہ اس کی خاطر مدارات میں دلچسپی لے رہی تھی ـــــــ

خوابیدہ سی آنکھوں والا سنجیدہ سا نوجوان۔

اس کا دل زور سے دھڑکا ـــــــ

چائے دے کر وہ پلٹی تھی کہ ابا نے کہا۔

اوپر والا کمرہ ٹھیک کر دو۔ انور بابو کچھ دن یہاں رہیں گے ـــــــ

اچھا ابا ـــــــ

اس نے جھاڑو پکڑی اور اوپر چلی گئی ـــــــ

بڑی محنت بڑے لگاؤ سے اس نے پرانی اور ٹوٹی چیزیں باہر نکالیں۔ کمرے میں صفائی کی اور ہر چیز جھاڑ پونچھ کر سجا دی۔ چارپائی پر سفید چادر ڈالی تو کمرہ اجلا اجلا سا لگنے لگا۔

جب وہ اوپر جا رہا تھا تو ابا جی اس کے ساتھ تھے۔

اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا بس چپ چاپ اوپر چلا گیا۔

شام ہوتے ہی رشیدہ آگئی۔

نئے مہمان کی آمد پر اس نے ابا کو خوب سنائیں کہ گھر میں تو کھانے کو نہیں اور آپ مہمان لے کر آ گئے۔

رشیدہ باتیں آج رابعہ کو بہت بری لگ رہی تھیں۔ بیچارہ آ گیا ہے تو کیا ہوا ـــــــ کہیں رشیدہ اس کی بے عزتی نہ کر دے ـــــــ کہیں کچھ

کہہ نہ دے۔ وہ تو شکل سے لگتا ہے بڑا سنجیدہ مزاج اور سمجھدار ہے کہیں برا مان گیا تو چلا جائے گا۔
مگر وہ تو تھی مجبور اپنی زبان کھولتی تو قیامت آجاتی۔ مجبوریاں اس کے گلے کا پھندا بنی ہوئی تھیں اور ہر احساس ہر جذبے کو جکڑ کر وہ گھٹی گھٹی سی اس گھر میں رہ رہی تھی۔
سارے کام ختم کر کے جب وہ بستر پہ لیٹی۔
تو اسے فکر کھائے جا رہا تھا ــــــ
کہیں انور بابو، رشیدہ کی بات سنکر چلا نہ جائے ــــــ
اسی وقت ابا اوپر سے آگئے ــــــ
ابا ــــــ وہ آہستہ سے بولی ــــــ
ابا وہ ــــــ مہمان سے کہہ دیجئے کہ وہ ماں کی بات کا برا نہ مانے۔
ابا نے چونک کر رابعہ کی طرف دیکھا اور گذر گئے۔
وہ ڈر کر دبک سی گئی ــــــ
یہ میں نے کیا کہہ دیا ــــــ
ایک انجانا سا خوف ــــــ ایک نامعلوم سی بےبسی۔ اسے جکڑ رہی تھی ــــــ
صبح ہی صبح اس سے پیالیاں ٹوٹ گئیں پس رشیدہ تو اس کے گرد ہو گئی ــــــ رشیدہ نے اسے خوب سنائیں۔ وہ سہمی سہمی سی کھڑی سن رہی تھی۔
اس نے دیکھا اوپر چھجے کے پاس انور کھڑا ہے۔
ابا اس کے لئے ناشتہ لے گئے ــــــ

اور وہ خود ہونٹ سیئے کام میں لگ گئی ـــــ

انور ابا کے ساتھ ہی دفتر چلا گیا۔ رشیدہ کو بہت بولنے سے بخار چڑھ گیا۔ گھنٹہ بھر رابعہ اس کی ٹانگیں دباتی رہی۔ پھر کلو کے رونے کی آواز سن کر باہر نکل آئی۔

دن ڈھل رہا تھا ـــــ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اس نے دروازے کے جھری سے باہر جھانکا ـــــ انور تھا ـــــ

اس کا سانس تیز تیز چلنے لگا۔

کون ـــــ بے قابو اور بے ربط سی آواز میں اس نے کہا۔

میں ہوں ـــــ انور ـــــ

آجائیے ـــــ

وہ دروازہ کھول کر اندر آگیا۔ ایک نظر رابعہ کی طرف دیکھا اور چپ چاپ سیڑھیاں چڑھ گیا۔

وہ کچھ نہ بول سکی ـــــ پسینہ پسینہ ہو گئی۔

دروازے سے پیٹھ لگائے نہ جانے کتنی دیر یونہی کھڑی رہی۔ دماغ سوچ کی بھول بھلیوں میں کھو گیا۔ اس کی نظروں میں کیا تھا ـــــ

اس نے دیکھا ـــــ وہ دو سیڑھیاں اتر کر درمیان میں کھڑا تھا اس کے ہاتھ میں گلاس تھا ـــــ

وہ ڈری ڈری سی سیڑھیوں کے پاس آئی اور گلاس لے کر گھڑے کے پاس آئی۔ پانی بھرا ـــــ لیکن وہ اوپر جا چکا تھا ـــــ

میں اکیلی کیسے جاؤں ـــــ رنگت اڑی جا رہی تھی۔ رکتی جھجکتی سیڑھیاں طے کر کے وہ دروازے پر پہنچ گئی ـــــ

پانی ـــــ اس نے گلاس آگے کر دیا۔
اوہ ـــــ وہ اٹھا۔ گلاس پکڑا اور بولا ـــــ
شکریہ ـــــ
وہ جانے کے لئے پلٹی ـــــ
سنو ـــــ وہ آہستہ سے بولا ـــــ

جی ـــــ
کچھ نہیں ـــــ جاؤ ـــــ
وہ جھجک گیا ـــــ
وہ جب نیچے اتری تو اسے لگا۔ خوشبو کا ایک نازک سا جھونکا تھا۔ جو اسے معطر کر گیا ہے۔
خاموش خاموش لبوں پر جانے کتنی کہانیاں تھیں۔ جو اس نے ایک لمحہ میں سن لی تھیں۔
مگر میں ـــــ بھاگوں چلی ـــــ
میں کہاں ان کہانیوں کو سننے کی اہل ہوں ـــــ
محبت کا یہ خاموش سا جملہ ـــــ مجھے کہاں ملے گا۔
رات کام نپٹا کر جب وہ اپنے بستر پر لیٹی تو وہ بہت بے چین تھی ـــــ
یہ شہزادہ ـــــ جو میرے گھر آ گیا ہے ـــــ کیا میری زندگی کے راستوں کو روشن کر دے گا ـــــ میں نے تو خواب بھی اسی کے دیکھے ہیں۔ اور اب یہ آ گیا ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک پیغام بھی ہے ـــــ کیا میری زندگی میں اجالا ہو جائے گا ـــــ
مگر ساتھ ہی اسے رشیدہ اور نورا ہنستے ہوئے معلوم ہوئے۔

اس نے دیکھا نورے اور انور میں ایک تصادم ہوا اور پھر گھٹا ٹوپ
اندھیرا چھا گیا ـــــــ

وہ کانپ کانپ گئی۔

رات اسے بالکل نیند نہ آئی۔ صبح ہی صبح وہ اٹھ بیٹھی ـــــــ

انوار کا دن تھا آج سب گھر پر ہی تھے اس نے بچوں کا منہ ہاتھ
دھلوا کر انہیں ناشتہ کرا دیا ـــــــ

رشیدہ نے آج کہیں جانا تھا۔ وہ صبح ہی تیار ہو گئی اور بچوں کا
ریوڑ ہانکتی ہوئی باہر نکل گئی ـــــــ

ابا بھی کسی کام سے نکل گئے ـــــــ

انور اوپر تھا ـــــــ وہ بیٹھی ابا کی قمیض سی رہی تھی کہ نورا آ گیا ـ

کیا کر رہی ہو ـــــــ

نورا ہنس کر بولا ـــــــ

دیکھ تو رہے ہو ـــــــ رابعہ نے بے رخی سے جواب دیا۔

کبھی ہم سے بھی سیدھے مُنہ بات کر لیا کر ـــــــ

نورا قریب ہو کر بولا ـــــــ

اماں گھر میں نہیں ہیں ـــــــ

رابعہ غصے سے بولی ـــــــ

وہ گھر میں نہیں تو نہ سہی ۔ تُو تو ہے ۔

مجھ سے تجھے کیا ـــــــ

رابعہ کا پارہ ہائی ہو گیا ـــــــ

میرے ہی پلے پڑے گی سب نخرے نکال دوں گا ـــــــ

نورا کھی کھی کرتا اس کے قریب آگیا ______

میں کہتی ہوں دور ہو جاؤ ______

اری رضیہ کس کو دیتی ہے ______ نورے نے ہاتھ پکڑ کر اسے کمرے کی طرف کھینچا۔

رابعہ نے زور سے چیخ ماری اور بولی ______ ہٹ جاؤ نورے۔

چھوڑو میرا ہاتھ ______

اگلے ہی لمحے اس نے دیکھا۔ انور گھبرایا سا نیچے اترا۔ آتے ہی اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ______ اور نورے کو پکڑ لیا ______

نورا اور انور کی ہاتھا پائی ہو رہی تھی اور وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

ایک مرتبہ تو رابعہ کا دم ہی نکل گیا۔ نورے نے انور کا سر پکڑ کر دیوار کے ساتھ پٹخنا شروع کر دیا۔

نورا گٹھے جسم کا ذلیل آدمی تھا۔ اور انور لڑائی جھگڑے سے دور سنجیدہ۔ یا نوجوان۔

رابعہ نے ہاتھ جوڑ دیئے ______

اور بولی ______ نورے خدا کے لئے چھوڑ دے ______

کیوں چھوڑ دوں ______ کون ہے یہ ______ کس کو چھپا رکھا تھا۔

انور نے نورے کے پیٹ پر لات ماری اور وہ گر پڑا۔

رابعہ نے انور کا ہاتھ پکڑ لیا اور باہر کی طرف لے جانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی ______ بابو جی ______ یہ آپ کو مار ڈالے گا یہ بہت ظالم ہے۔

عین اسی وقت ابا آگئے ______

نورے نے بہت زہر اگلنا چاہا۔ لیکن اباّ نے نورے کو کھڑے سے باہر نکال دیا ــــــــ

سیدھی طرح رشتہ کر دو تابیٹی کا میرے ساتھ۔

جاتے جاتے نورا بولا ــــــــ

خبردار جو اپنی گندی زبان سے کبھی میری بیٹی کا نام لیا۔ اباّ اسے مارنے کو لپکے۔ لیکن وہ باہر نکل گیا۔

انور کے سر سے خون بہہ رہا تھا ــــــــ

رابعہ نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر جلایا اور دوپٹے کی پٹیاں بنا کر اباّ کے پاس لے آئی اور بولی ــــــــ

اباّ! بابوجی کے سر سے خون بہہ رہا ہے یہ باندھ دیجئے۔

اباّ نے انور کے سر پر پٹی باندھی اور بولے۔

آپ کا یہ احسان کبھی نہیں بھول سکتا انور بابو ــــــــ

شرمندہ نہ کریں اقبال صاحب ــــــــ مگر یہ تھا کون۔

انور بولا ــــــــ

یہ کم بخت میری بیوی کا بھائی ہے۔

رابعہ اندر چلی گئی ــــــــ انور اوپر جانے لگا تو اباّ بولے۔

انور بابو ــــــــ

جی ــــــــ

ایک بات کہنا چاہتا ہوں ــــــــ

کہئیے ــــــــ

انور بابو ــــــــ آپ کی کہیں منگنی ہو چکی ہے کیا ــــــــ

ابّا جھجک رہے تھے ـــــــــ

جی نہیں ـــــــــ

تو انور بابو ـــــ رابعہ میرے سینے پر سب سے بھاری پتھر ہے۔ یہ بوجھ اٹھا لو گے۔

ابّا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

دروازے سے لگی رابعہ کی آنکھوں میں جھڑی لگ گئی ـــــ

ابّا کہہ رہے تھے۔ یہ بدنصیب آٹھ برس کی تھی کہ اس کی ماں مر گئی۔ میں نے رشیدہ سے اس بچی کے سکھوں کے لئے شادی کی تھی۔ لیکن رشیدہ نے اسے ماں کا پیار نہیں دیا۔ اس کی جھڑکیوں اور مار پیٹ تلے یہ جوان ہوئی اور اب رشیدہ چاہتی ہے کہ میں اس کا بیاہ نورے سے کر دوں ـــــ تم ہی بتاؤ انور بابو نورا میری بیٹی کے لائق ہے۔ میری بڑے دنوں سے کوشش ہے کہ کوئی اچھا لڑکا مل جائے تو میں اس کا بیاہ کر دوں۔ شاید چار دن یہ بھی خوشی دیکھ لے ـــــ اس کا سہما سہما چہرہ دیکھتا ہوں تو کلیجہ کٹتا ہے۔ کیا کروں۔ بے بس ہوں۔

انور خاموش تھا

اور رابعہ کے دل میں دھڑکن نے طوفان مچایا ہوا تھا۔ وہ دروازے کی دراڑ سے انور کی طرف نظریں جمائے کھڑی تھی۔

تم چپ کیوں ہو گئے انور بابو ـــــ بولو نا ـــــ

ابّا بولے ـــــ

میں مجبور ہوں اقبال صاحب۔ میں چار بہنوں کا بھائی ہوں ابھی مجھے ان کے گھر بسانے ہیں۔

اور رابعہ کو یوں لگا ـــــ جیسے وہ سارے خواب ٹوٹ گئے۔ وہ

دروازہ پکڑ کر یوں کھڑی ہو گئی۔ جیسے گر پڑے گی ـــــ پاؤں اکھڑنے لگے۔ اور ایسا لگا جیسے وہ صدیوں کی بیمار ہو۔

پکڑ پکڑ کر ٹٹول ٹٹول کر اپنی کوٹھڑی میں پہنچ کر اپنے میلے بوسیدہ بستر پر وہ دھڑام سے گر پڑی ـــــــ

وہ کائنات جو اس نے بنائی تھی ـــــــ

ایک دم اندھیروں میں کھو گئی ـــــ آرزوؤں نے سسکیوں کا ماتمی لباس پہن لیا اور اسے پھر بھیانک تنہائیوں کے غار میں دھکا دے دیا تھا۔

آنسو آنکھوں میں تیر رہے تھے۔ انور اندر جا چکا تھا۔

اور آپا سر جھکائے گہری سوچ میں غرق تھے۔

اگلی صبح تو رشیدہ نے پورا گھر سر پر اٹھا لیا ــــــــ
نورے کی بے عزتی پر اس نے خوب لتے لئے ۔
نورا ابھی پاس کھڑا مصالحے لگا رہا تھا ــــــــ
ابا گھر میں نہیں تھے ۔ انور اوپر سب کچھ سُن رہا تھا ۔
رشیدہ بولے چلی جا رہی تھی ــــــــ
تجھ پر خدا کی مار ۔ میرے بھائی کو اس سے پٹواتے مر کیوں نہ گئی ۔
آپا بھائی صاحب بھی تو بڑے غصے میں تھے ۔ مجھے کہہ دیا کہ آئندہ اس گھر
میں قدم نہ رکھوں ــــــــ
نورا بولا ــــــــ
ہاں ہاں ۔ اب تیرے بھائی جان کی بھی میں خبر لوں گی ــــــــ جس منہ
سے تمہیں گھر سے نکالا اب اسی منہ سے تمہیں اپنا داماد نہ بنا لے تو مجھے رشیدہ نہ کہنا ۔
بابو جی بابو جی کر رہی تھی ــــــــ

نورا بولا ـــــــ

اس بابوجی کو بھی آج چلتا کروں گی ۔ میرے گھر میں کھاتا ہے اور میرے بھائی پر ہاتھ اُٹھاتا ہے ۔ ابھی باہر پھینکوں گی اور ہاں نورے بس جمعہ کو برات لے آنا تم ـــــــ اس کو میں تمہاری جوتیاں ہی کھلواؤں گی ـــــــ

رابعہ کانپ گئی ـــــــ

دیکھ لو آپا ۔ دوستوں میں میری بےعزتی نہ کروا دینا ۔

نورا ہنس کر بولا ـــــــ

میں جو کہتا ہوں وہ اٹل ہوتا ہے تم جاؤ اور جمعہ کو برات لے آنا ۔

نورا تو چلا گیا ـــــــ

اور رابعہ نے دیکھا ـــــــ

انور اپنا سامان اٹھائے نیچے اتر رہا ہے ۔

رابعہ نے اس کی طرف بے بسی سے دیکھا ـــــــ

انور نے ایک نظر اس پر ڈالی اور باہر نکل گیا ۔

جب وہ اندر آئی تو ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے ۔

صرف دو دن بعد وہ اس جہنم سے نکل کر دوسرے جہنم میں چلی جائے گی ۔

نورے کا چہرہ بار بار اس کی نظروں کے سامنے آ رہا تھا ۔

لٹے لٹے سے انداز میں وہ اوپر آئی ۔

انور کا کمرہ دیکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی ۔ جانے وہ کب تک روتی رہتی ۔ اس نے دیکھا کہ آصف چھت پھلانگ کر اس کے پاس آ چکا تھا ۔

کیوں رو رہی ہو رابعہ ـــــــ

آصف بولا ـــــــ

اماں نورے سے میرا بیاہ کر رہی ہے بھیا ——
رابعہ تڑپ کر بولی ——
یہ نہیں ہو سکتا —— یہ ظلم ہے —— تمہارے ابا ایسا نہیں ہونے دیں گے ——
آصف بولا ——
ابا کچھ نہیں کر سکتے ۔ رابعہ نے کہا ——
تو پھر —— پھر میری بہن تم ہی کچھ کرو —— تم خود ہمت کرو۔
کیا کروں میں ——
رابعہ بے بسی سے بولی ——
دیکھو یہاں تمہارا ایک بھی ہمدرد نہیں تمہیں ان کی عزت سے کیا غرض میری مانو تو میرے ساتھ چلی چلو یہ شہر ہی چھوڑ دو ——
رابعہ کا چہرہ سفید پڑ گیا ——
کل تم تیار رہنا —— بس چپکے سے نکل آنا ۔ میں گلی کے نکڑ پہ تمہارا انتظار کروں گا ——
مگر بھیا ——
رابعہ رو دی ——
سوچو مت —— یہی موقعہ ہے گنوا دیا تو ساری عمر نورے کی قید میں پڑی رہو گی —— ٹھیک ہے نا ——
رابعہ نے کچھ سوچا اور بولی —— ٹھیک ہے مگر ابا کو تو تم بتا دو گے ۔
ہاں ہاں پہلے تمہیں پہنچا آؤں ۔ پھر ابا کو بھی لے جاؤں گا ۔
رابعہ نے ڈرڈر کر —— سہم سہم کر وعدہ کر لیا ۔

ایک بار پھر اس کے قدم بڑھتے بڑھتے رُک گئے۔ کسی طرح بھی وہ خود میں ہمت پیدا نہ کر پا رہی تھی۔

شام ہو ہی چکی تھی ——

اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا —— موقع بہت اچھا تھا۔

رشیدہ لوری کے ساتھ بیاہ کے کپڑے خریدنے بازار گئی تھی ——

بچے گلی میں کھیل رہے تھے —— اور آپا ابھی دفتر سے نہیں آئے تھے ——

اس وقت اس کے ذہن میں ایک جنگ چھڑی ہوئی تھی —— کیا کروں۔

کیا نہ کروں ——

دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ اس نے جھٹ دروازہ کھولا آصف تھا۔

میں گلی کے نکڑ پر کھڑا ہوں —— جلدی سے آجاؤ —— گاڑی کا وقت قریب ہے ——

آصف نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہ دیا اور چلا گیا۔

اس وقت دھڑکتے دل سے گھر کی طرف نظر ڈالی ——

بالکل خاموشی تھی ——

وہ اپنی کوٹھڑی میں گئی —— بستر سے کھیس اتار کر اوڑھا اور باہر نکل آئی۔

گلی کے نکڑ پر ہی اسے آصف مل گیا ——

تیز چلنے سے کان بند کئے۔ وہ تیز تیز آصف کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

اسٹیشن پہنچتے ہی انہیں گاڑی تیار ملی۔

آصف اسے اپنے ساتھ ہی مردانے ڈبے میں لے آیا ——

گاڑی چلی —— تو اسے یوں لگا۔ جیسے اس کی آدھی جان نکل گئی ہے ——

اسے یوں لگا جیسے آپا کراہ رہے ہوں۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر باہر

بھاگتی ہوئی چیزوں کو دیکھا اور پھر جھٹکے سے اس سوچ کو دور پھینک دیا ـــــ

لیکن آپا کی آواز اب بھی سنائی دے رہی تھی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کر لئے۔ لیکن نہ جانے یہ آواز کہاں سے اور کیسے اس کے کانوں میں گھسی آ رہی تھی۔

رابعہ ـــــ رابعہ بیٹی ـــــ

آپا ـــــ وہ وحشیانہ انداز میں بڑبڑانے لگی ـــــ

کیا ہوا رابعہ ـــــ

آصف اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر بولا ـــــ

وہ سسک سسک کر رونے لگی ـــــ

ایک کسک اس کے دل میں رہ رہ کر ابھر رہی تھی۔ احساسات میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی۔

آصف نے اسے حوصلہ دیا ـــــ آئندہ خوشگوار زندگی کا تصور دیا۔ آپا کو بلوانے کا وعدہ کیا۔

تو اس نے آنسو پونچھ ڈالے۔

اور ماضی کی دھندلی پرچھائیوں میں خود کو تلاش کرنے لگی۔

چائے پیو گی ـــــ

آصف بولا ـــــ

نہیں ـــــ

پی لو ـــــ اتنی روئی ہو سر میں درد ہو جائے گا ـــــ

تمہاری مرضی ـــــ

رابعہ آہستہ سے بولی ـــــ

آصف نے بیرے کو چائے لانے کے لئے کہا اور بولا ـــــ

تم پہلے شہر آئی ہو کبھی ———

نہیں ——— بس بچپن میں کوہ مری سے آ بلے کر آئے تھے اس کے بعد آج تک سفر نہیں کیا ———

گھبرا ؤ گی تو نہیں ———

آصف مسکرا کر بولا ———

ہم کہاں جائیں گے ———

میں فی الحال اپنے ایک دوست کے ہاں جاؤں گا۔ وہ بہت شریف آدمی ہے اور اس کا بہت ہی اچھا کاروبار ہے۔ اس سے کہوں گا تمہیں کہیں کام پر لگا دے محنت کرنا اور مزے کرنا ——— میں دو چار دن تک واپس آکر آپا کو تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔

میں کہاں رہوں گی ———

رابعہ بولی ———

تم وہاں میرے دوست کے ہاں رہنا۔ وہاں وہ تمہارا خیال رکھے گا تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی ———

رابعہ خاموش ہو گئی ———

لیکن دل میں ہزاروں وسوسے سر اُٹھا رہے تھے۔

یا اللہ تو میری عزت رکھنا ———

وہ اپنے لئے دُعائیں کرتے ہوئے پھر سو رہی۔

ایک عالی شان سی کوٹھی تھی ——

آصف بے تکلفی سے کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ وہ سہمی سہمی سی اس کے پیچھے تھی۔

آجاؤ —— ڈرو نہیں ——

کوٹھی کے خوبصورت ڈرائینگ روم میں آصف بڑی بے تکلفی سے صوفے پر بیٹھ گیا۔

وہ اب تک کھڑی تھی

بیٹھو نا —— اپنا ہی گھر ہے ——

وہ بیٹھ تو گئی لیکن ایک عجیب سی بے قراری محسوس کر رہی تھی ——

ایک نوکر نے آکر اندر جھانکا —— اور آصف کو دیکھ کر سلام کیا۔

جاؤ صاحب کو اطلاع دو ——

آصف بولا ——

جی اچھا صاحب —— آپ کے لئے چائے لاؤں یا کافی ——

چائے لے آؤ اور ساتھ کھانے کو بھی ــــــ

جی بہتر ــــــ

نوکر چلا گیا ــــــ

تو آصف اُٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگا ــــــ

آہٹ سی ہوئی ــــــ

رابعہ نے دیکھا ــــــ

شاندار سوٹ پہنے ہاتھ میں سگریٹ لئے ایک لمبا چوڑا آدمی اندر آگیا ہے۔

آصف کیسے ہو ــــــ

ٹھیک ہوں ــــــ تم بتاؤ ــــــ

آصف اس کے ساتھ ہاتھ ملا کر سامنے ہی بیٹھ گیا۔

بڑے دنوں بعد آئے ہو ــــــ

بس فرصت ہی نہ ملی ــــــ

یہ میرے دوست ہیں فخر زماں ــــــ

آصف نے رابعہ سے کہا جو چپ چاپ بیٹھی تھی ــــــ

فخر نے ایک نظر رابعہ کی طرف دیکھا اور بولا ــــــ

اور ان کی تعریف ــــــ

یہ رابعہ ہیں میری بہن ــــــ اس بےچاری پر اس کی سوتیلی ماں بہت ظلم کرتی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لے آیا ہوں ــــــ

اچھا کیا تم نے ــــــ

فخر نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا ــــــ

رابعہ سٹ پٹا گئی ــــــ اور نظریں چرانے لگی۔

آپ اسے کسی کام پر لگا دیجئے گا ——

ہاں —— ہاں ——

فخر لاپرواہی سے بولا ——

فخر تو کچھ خام قسم کی باتیں کر کے چلا گیا اور آصف رابعہ کو سمجھانے لگا۔

کہ وہ یہاں آرام سے رہے ——

فخر پھر اندر آ گیا —— اس نے بھی رابعہ کو تسلی دی ——

تو میں جاؤں ——

آصف بولا ——

میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ ابا سے معافی مانگ لوں گی میں یہاں نہیں رہوں گی۔

رابعہ کو خوف سا آ رہا تھا ——

ارے میں تمہارے ابا کو تو لینے جا رہا ہوں۔ تمہیں تو پتہ ہی ہے کہ تمہارے آنے کے بعد وہاں کیا قیامت آئی ہو گی اور پھر فوراً تو تمہاری تلاش ہی ہو گا تم واپس جاؤ گی تو یہ ضرور ہو گا کہ تمہاری اماں تو رے سے تمہارا فوراً بیاہ کر دیں گی۔

رابعہ کانپ گئی ——

بس تم آرام سے رہو۔ میں تمہارے ابا کو لے کر تین چار دن تک واپس آ جاؤں گا۔

آصف چلا گیا تو ——

ملازم اسے اوپر ایک کمرے میں لے گیا۔

اور کہنے لگا —— کسی چیز کی ضرورت ہو تو یہ گھنٹی بجا دیجئے۔

وہ دروازہ بند کر کے ڈری ڈری سی بیٹھی رہی۔

ملازم وہیں اسے کھانا دے گیا۔

اسی شام اس کے لئے کپڑے بھی آگئے۔ مگر وہ جوں کے توں پڑے رہے۔
اس نے ان کپڑوں کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔
مگر پورا دن گزرنے کے بعد اسے یہ ڈھارس ضرور رہتی کہ فخر واقعی اچھا آدمی ہے۔

اسے یہاں چپ چاپ رہتے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا
روز ہی وہ آصف کی راہ دیکھتی
مگر آصف کا کہیں پتہ نہ تھا
یہ گھر بس خاموش سا تھا فخر تو نیچے کے کمروں میں رہتا تھا۔
دوسری طرف کے کمروں میں ایک خوبصورت سی عورت تھی جو کبھی
کبھار رابعہ کو نظر آتی۔ ابھی تک اس عورت سے ملاقات نہ ہو سکی تھی۔
وہ یہ بھی اندازہ نہ کر پائی تھی کہ یہ عورت فخر کی بیوی ہے یا بہن
بس، قیدی سی بنی وہ اس گھر میں رہ رہی تھی۔
فخر نے دو تین بار اس سے پوچھا تھا کہ اسے کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ کہہ دے۔
مگر اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ بالکل آرام سے رہ رہی ہے۔
مگر وہ اکتائی ہوئی تھی
وہ لان میں بیٹھی تھی کہ اس نے دیکھا کہ وہی عورت اس کی طرف آ رہی ہے۔

کیا حال ہے ــــــ

وہ قریب آکر بولی ــــــ

رابعہ نے ہاتھ ماتھے پر لے جا کر سلام کیا ــــــ

تم بھی سوچتی ہو گی کہ اتنے دن ہو گئے میں تم سے ملی نہیں۔

اصل میں وقت ہی نہ ملا ــــــ

وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی ــــــ

میرا نام عشرت ہے اور میں فخر کی سیکریٹری ہوں ــــــ اور یہ گھر فخر کا ہے میرا نہیں ــــــ

عشرت مسکرا کر بولی۔

رابعہ خاموش سی بیٹھی تھی ــــــ

مجھے تو فخر نے بتایا ہے کہ تم بہت دکھی ہو کر آئی ہو۔ میں بھی جب آئی تھی تو ایسی ہی حالت تھی میری ــــــ مگر پھر میں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا اور اب عیش کرتی ہوں۔

رابعہ کو اس کی بات کی بالکل سمجھ نہ آئی ــــــ

تم سوچتی ہو گی کہ میں کیسی عجیب سی باتیں کر رہی ہوں ــــــ

کچھ دن بعد تمہیں بھی پتہ چل جائے گا۔

عشرت کا فون آگیا تو وہ چلی گئی۔

اور رابعہ سوچ اور فکر کی بھول بھلیوں میں کھوئی ہوئی کمرے میں آگئی ــــــ

دو چار دن میں عشرت رابعہ کے ساتھ گھل مل گئی۔ اسے اپنے ساتھ باہر لے جانے لگی ــــــ

رابعہ دوپٹہ سر پر اوڑھتی تھی ــــــ

عشرت نے اسے بتایا کہ دوپٹہ گلے میں ڈالا جاتا ہے سر نہیں ڈھکا جاتا۔
مگر وہ پھر بھی اپنی بات پر اڑی رہتی ——
عشرت نے چند ہی روز میں اس کی کایا پلٹ دی۔
نئے نئے ڈیزائن کے کپڑے اور ساڑھیاں ——
ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بٹھا کر وہ خود ہی اسے بناتی —— سنوارتی۔
رابعہ حیران بھی تھی —— اور اندر ہی اندر خوفزدہ بھی۔ مگر —— وہ کیا کرتی ——
عشرت جیسی چالاک اور عیار عورت نے ایک منٹ میں اس کا جائزہ لے لیا تھا کہ وہ کتنی بھولی اور معصوم ہے۔ اس نے دنیا دیکھی نہیں —— دنیا والوں کا اسے کوئی پتہ نہیں کہ لوگ کیسے ہوتے ہیں۔
رابعہ سیدھی سادی لڑکی تھی ایک دم اس کی سمجھ میں آگئی اور وہ آہستہ آہستہ پیار سے خلوص سے اور محبت سے اسے اپنے ڈھب پر لا رہی تھی۔
کئی بار عشرت اسے باہر لے گئی ——
فلمیں دکھائیں —— ہوٹلوں میں کھانا کھلایا۔
شاپنگ کے لئے لے گئی ——
چمک دمک —— رنگ و نور نے رابعہ کو کس قدر گھیر لیا تھا۔
وہ تو تھی بے چاری غریب سی لڑکی —— جس نے کبھی اچھا کپڑا نہ پہنا تھا۔ ہمیشہ بچا کھچا کھایا —— اور گھر کے باہر کی دنیا کبھی نہ دیکھی۔ اس کے لئے یہ سب کچھ نیا تھا اور دلچسپ بھی ——
مگر ——
ان روشنیوں کے غبار میں بھی اسے آپا کا انتظار تھا —— وہ ہمیشہ

عشرت سے پوچھتی رہتی کہ آصف کا کوئی خط آیا یا نہیں ـــــــ وہ اس کے ابا کو لے کر کب آئے گا ـــــــ

عشرت کوئی نہ کوئی بات بنا کر اسے مطمئن کر دیتی ۔

لیکن شاید روز روز کے سوالوں سے وہ بھی تنگ آ چکی تھی ۔ اس روز وہ اداس سی بیٹھی تھی ـــــــ

آج صبح سے اس نے کئی بار عشرت سے پوچھا کہ آصف اس کے ابا کو لے کر کیوں نہیں آیا ـــــــ

عشرت نے پہلے والی بات بنا کر اسے مطمئن کرنا چاہا مگر وہ پریشان ہی رہی ۔

عشرت بھی بھانپ گئی ـــــــ

شام کو وہ اداس سی صورت بنائے آ گئی ـــــــ

کہنے لگی ـــــــ

آصف کا فون آیا تھا ـــــــ

اچھا ـــــــ رابعہ چونک کر اٹھی ـــــــ

کب آ رہے ہیں میرے ابا ـــــــ

عشرت خاموش رہی ـــــــ

بولو نا ـــــــ کب آئیں گے میرے ابا ۔ کیا کہا آصف نے ـــــــ

عشرت تب بھی خاموش تھی ۔

بولو نا ـــــــ کیا بات ہے ـــــــ تم بولتی کیوں نہیں ۔

تمہارے ابا کا انتقال ہو گیا ۔

عشرت دُکھ سے بولی ـــــــ

نہیں

رابعہ نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

آصف نے فون پر ابھی مجھے بتایا۔ مگر میں سوچ رہی تھی کہ تمہیں یہ خبر کیسے سناؤں

مگر کیا کروں تمہیں سنانا بھی ضروری تھا۔

رابعہ کا رنگ سفید کپڑے کی طرح ہو گیا۔ وہ غم سے لرز رہی تھی ——

آصف نے یہ بھی بتایا کہ تمہاری سوتیلی ماں اور نورا تمہیں تلاش کر رہے ہیں۔

اگلے لمحے رابعہ نڈھال ہو کر گر پڑی ——

عشرت اٹھی اور اس کا سر اپنی گود میں رکھ کر بولی۔

صبر کرو میری بہن —— واقعی صدمہ تو بہت گہرا ہے۔ مگر اب کیا کیا جا سکتا

ہے۔ ہمت سے کام لو ——

رابعہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے جھرنے بہنے لگے۔

عشرت رات تک اس کے پاس بیٹھی رہی ——

وہ روتی رہی ——

رات گئے عشرت اٹھ کر چلی گئی۔

لیکن وہ ساری رات یونہی سسکتی رہی۔

ابا اسے یاد آتے تو کلیجہ کٹنے لگتا۔

باہر رات بیت رہی تھی ——

اور اندر وہ اکیلی —— تنہا —— اندھیروں میں گھری تڑپ رہی تھی۔

کچھ دن سوگ میں بیت گئے ——

رابعہ سارا دن تھکا بیٹھے کمرے میں پڑی رہتی۔ عشرت نے کئی بار اسے اپنے

ساتھ بازار لے جانا چاہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔

عشرت عجیب سی عورت تھی کبھی اتنی خوش دکھائی دیتی اور کبھی حد سے زیادہ غمگین ــــ اس کا ہر انداز نرالا تھا ــــ جو کچھ بھی اسے چھپانے کے لیئے اس نے اپنے اوپر بناوٹی سا اخلاق چڑھا رکھا تھا ــــ بات کرنے کا انداز مصنوعی سی ہنسی۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ ــــ اور چھیتی کا کہیں دور دور تک نشان نہ ملتا ــــ

بس بنی ہوئی تھی اور اسی انداز کے سہارے لوگوں کو نبھاتی تھی اس کا کوئی مذہب نہ تھا کوئی عقیدہ نہیں تھا بس اتنا تھا کہ زندگی عیش کے لیئے دی گئی ہے۔

وہ تو بس خوبصورت مردوں کو کھلونا بنا کر زندگی کی رنگینیوں کا رس نچوڑنے کو زندگی کی معراج سمجھتی تھی۔

اس وقت بھی وہ آتشیں رنگ کے لباس میں لہراتی ہوئی اس کے کمرے میں آگئی۔

تیار ہو گئیں ــــ

رابعہ بجھی بجھی سی تھی ــــ

ونڈر فل ــــ پھر دیر ہو گئی ہے۔

آج کئی روز بعد وہ اس کے ساتھ جانے کو تیار ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ باہر آ گئی ــــ

عشرت خود ہی ڈرائیو کر رہی تھی ــــ

چپ کیوں ہو رابعہ ــــ

عشرت بولی ــــ

بس یوں ہی ــــ

ایک بات سوچ رہی تھی میں۔ عشرت نے کہا۔

کیا ــــ

تم اپنا نام بدل لو ــــ اگر تم نے اپنا نام بدل لیا تو یہ ہو سکتا ہے تم بڑا اچھا اثر

پڑے میرے خیال میں تم اپنا نام گنی رکھ لو ـــــ کتنا پیارا ہے۔

عشرت ہنس کر بولی ـــــ

میں مسلمان ہوں اور یہ عیسائیوں جیسا نام ہے۔

رابعہ آہستہ سے بولی ـــــ

پاگل ہو تم ـــــ مذہب تو بس ایک افیم ہے جسے چند عقلمند لوگ اکثریت کو بیوقوف بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

یہ گناہ ہے ـــــ

رابعہ کانپ گئی ـــــ

تم تو یہی کہو گی ـــــ مگر تمہارے ان مذہبی ٹھیکیداروں کی طرح یہ گناہ میں نہیں کرنا چاہتی جو انسانوں کے درمیان مذہب کی اینٹوں سے نفرت کی دیوار کھڑی کر دیتے ہیں۔

عشرت بپھرے ہوئے انداز میں بولی ـــــ

لیکن یہ قصور مذہب کا تو نہیں ان کے ماننے والوں کا ہے۔

رابعہ نے کہا ـــــ

قصور کسی کا بھی ہو میں مذہب وذہب کو نہیں مانتی۔ زندگی جینے کے لئے دی گئی ہے اس لئے جی بھر کر اس کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہونا چاہئے۔

گاڑی کلب کے سامنے پارک کر کے وہ اسے ساتھ لے کر اندر آگئی۔

کلب کے ہال میں مدھم مدھم روشنیاں دودھیا سی روشنی بکھیر رہی تھیں۔

آرکیسٹرا سے اٹھتی ہوئی موسیقی کی لہر نے ان کا خیر مقدم کیا۔

اسٹورٹ نے انہیں میز دکھائی ـــــ عشرت نے رابعہ کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہال میں ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈالی ـــــ ہر طرف میزوں پر خوبصورت سے جوڑے

نیم عریاں لباسوں میں بیٹھے ہنس بول رہے تھے۔
وہ بیٹھی ہی تھی کہ بھاری سی گمبھیر آواز نے ہیلو کہا۔

اوہ ہیلو ـــــــ

ہاؤ ڈو یو ڈو ـــــــ

عشرت نے مصنوعی سی مسکراہٹ سے ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

بہت عرصے بعد زیارت ہوئی ہے ـــــــ

عشرت بولی ـــــــ

ہاں بس ذرا مصروف تھا ـــــــ

یہ جمشید ہیں۔ بہت خوبصورت باتیں کرتے ہیں مگر صرف باتیں۔
عشرت رابعہ سے جمشید کا تعارف کراتے ہوئے ہنس دی۔

اور یہ ہے مس کٹی ـــــــ

عشرت ہنس کر بولی ـــــــ

رابعہ خاموش سی ہو گئی ـــــــ

جمشید ان کے قریب ہی بیٹھ گیا ـــــــ

آج کل کہاں ہوتے ہیں آپ دکھائی نہیں دیتے۔

عشرت بولی ـــــــ

سرکار کا نوکر جو ٹھہرا کبھی ادھر کبھی ادھر ـــــــ

جمشید بولا ـــــــ

سنو ایک آدمی کو امریکہ بھجوانا ہے کچھ کرو نا ـــــــ

عشرت بولی ـــــــ

کون ہے ـــــــ

جمشید نے پوچھا ـــــــــــ

بس بھائی سمجھو میرا ـــــــــــ

میرے سمجھنے سے کیا ہو گا ـــــــــــ

جمشید ہنس کر بولا ـــــــــــ

میں نے اس کا کیس تیار کرا لیا ہے اپروچ بھی بڑی زبردست ہے بس باقی کام تم بنا دو۔

عشرت بولی ـــــــــــ

بالکل بنا دوں گا ـــــــــــ

اس کی زندگی سنور جائے گی۔

عشرت بولی ـــــــــــ

ہاں تمہاری زندگی سنوارنے میں بھی اس کے سکوٹر کا بہت دخل ہے نا۔

جمشید ہنس کر بولا ـــــــــــ

کیا مطلب ـــــــــــ

میرا مطلب ہے ایک زمانے میں وہ تمہارا ڈرائیور ہوا کرتا تھا نا ـــــــــــ

اوہ ـــــــ عشرت ہنس دی ـــــــــــ

اسی لمحہ آرکسٹرا کی تیز آواز نے فضا میں ارتعاش پیدا کر دیا ہال کی بتیاں گل ہو گئیں اور ان کی جگہ شمع کی شکل میں جلتی ہوئی تند بلبوں نے لے لی۔ جن کی مدھم مدھم دھیمی روشنی نے ہال میں ایک عجیب سی فضا پیدا کر دی اور پھر ڈانسنگ فلور پر شعلے کی طرح بکھرے ڈانسر نمودار ہوئی اور آرکسٹرا کی دھن پر بجلی کی طرح مچلنے لگی۔ اس کا نیم عریاں دودھیا جسم اسپاٹ لائٹ کی تیز روشنی میں ہیجانی انداز میں تھرک رہا تھا اس کے جسم کی بوٹی بوٹی رقص کناں تھی۔ سارے مجمع کی نگاہیں اس کے مرمریں بدن پر مرکوز تھیں اور رابعہ شرم سے پانی پانی

ہوئی جارہی تھی۔

پورا جسم پسینے میں بھیگ گیا۔

یک بیک آرکسٹرا رک گیا۔ سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا جس کا جواب لڑانے سلام کے انداز میں جھک کر دیا۔ اس نے پرندوں کے رنگین پروں سے بنایا ہوا خوبصورت سا لباس پہن رکھا تھا۔ یا یوں کہنا چاہیئے کہ اس کے جسم کو ان پروں نے ڈھکنے کی بس کوشش ہی کی تھی۔

تالیوں کا شور رکا ہی تھا کہ مدھم مدھم سروں میں پھر ساز بجنے لگا ———

عشرت نے بے باکی سے اپنی فر ایک طرف رکھی اور جمشید کا ہاتھ پکڑ کر قندیلوں کی ہلکی روشنی میں جمشید کے ساتھ تھرکتی ہوئی رقص کرنے لگی۔

رابعہ کے پورے جسم کا خون سمٹ کر اس کے چہرے میں جمع ہو گیا۔

میں کہاں آ گئی ——— کیا ہوگا میرا۔

ذہن کے پردے پر خیالات ابھر ابھر کر ڈوب رہے تھے۔ اس نے دیکھا ایک ادھیڑ عمر آدمی جو اکیلا میز کے گرد بیٹھا شراب پی رہا ہے۔ اسے بڑے غور سے دیکھ رہا ہے۔

رقص کا دور ختم ہوا تو عشرت واپس آ گئی ——— جمشید کسی دوست سے باتیں کر رہا تھا۔

عشرت بار بار کنکھیوں سے بوڑھے آدمی کی طرف دیکھ لیتی۔

چلو گھر چلیں ———

رابعہ گھبرا کر بولی ———

ابھی چلتے ہیں۔ کچھ کھا پی تو لو ———

عشرت بولی ———

مجھے بھوک نہیں ———

وہ دونوں اٹھنے کو تھیں ——— کہ وہ بوڑھا آدمی اٹھ کر ان کے قریب آگیا۔
عشرت کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا فخر زماں کو میرا سلام کہنا۔

بہتر ——— عشرت مسکرا کر آگے بڑھ گئی۔

یہ کون تھا ——— رابعہ نے پوچھا۔

بہت بڑا آدمی ——— بہت بڑا افسر ———

عشرت ہنسنے لگی۔

اور وہی بڑا آدمی ———

رابعہ کی زندگی کا پہلا حادثہ تھا ——— ایسا حادثہ جو المناک اور خوفناک تھا۔

رابعہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھی ———

پچھلی شام عشرت نے اسے خوب سنوارا تھا۔ فخر نے اسے آنکھیں دکھائیں۔
اور بتایا کہ اسے اس آدمی سے صرف ایک فائل پہ دستخط کروانے ہیں ———

اسے کیا پتہ تھا کہ وہ جس فائل پر دستخط کروانے جا رہی ہے وہ فائل اس کی عزت کو تار تار کر دے گی۔

وہ لٹ جائے گی ———

عشرت اسے بوڑھے کے پاس چھوڑ آئی اور وہاں جو کچھ ہوا ——— وہ یاد کر کے اس کا جی چاہتا کہ کسی کنوئیں میں چھلانگ لگا دے۔

یادِ ہمزیوں کا ایک طوفان تھا وہاں ——— بھوکی نظروں اور ہوس کے جال میں وہ کچھ اس طرح الجھی کہ الجھتی گئی ———

جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں فائل تھی۔

فائل فخر نے لے لی اور خوشی سے اچھل کر بولا۔

ونڈرفل تم نے تو کمال کردیا —— بہت بڑا کام ہوگیا میرا۔
عشرت کو اس نے خوب سنائیں اور خود بس لٹی ہوئی۔ الجھی ہوئی پلنگ پر پڑی رہی ——

آس پاس گندگیوں کے ڈھیر تھے —— اور وہ درمیاں میں تنہا کھڑی تھی۔

کئی دن یونہی گذر گئے ——

ایک شام عشرت پھر اس کے پاس آئی ——

کیا یورست ہے رابو۔ اٹھو کہیں باہر چلیں ——

کہاں ——

وہ الجھی الجھی سی بولی ——

جہاں مالک کہے —— چپ چاپ چلی چلو۔ ورنہ پچھتاؤ گی۔ یہ مجھے دیکھو عیش کرتی ہوں۔ میری مانو تو ان حالات سے سمجھوتہ کرلو —— تمہارے لئے بھی اچھا ہے —— ضد کروگی تو برباد ہوجاؤ گی —— فخر تمہیں کہیں نہیں جانے دے گا۔

وہ خاموش سنتی رہی ——

اور عشرت مثالوں سے —— دلیلوں سے اسے سمجھا رہی تھی اور وہ بے جان بت بنی سن رہی تھی ——

حالات جیت گئے ________

رابعہ ہار گئی ________

اب وہ باقاعدہ فخر کی نمائندہ تھی۔

کئی روپ بدلے ________

فخر کی تجوری دولت سے بھر آگئی ________

ہر جگہ فخر نے ٹانگ اڑائی ہوئی تھی ________ مکان۔ زمینیں۔ امپورٹ

لائسنس ________

جو کچھ بھی تھا سمیٹے جا رہا تھا ________ اس کے عوض وہ ان بڑے آدمیوں

________ جو ائرکنڈیشنڈ آفس میں بیٹھ کر عوام کے دکھ درد کا حامی ہونے کا

دعوی کرتے ہیں۔

اسی عوام کا حق۔ وہ اپنی ہوس پوری کرنے کے لئے ایسے لوگوں کو دیئے

جا رہے تھے۔ جو ان کے لئے عیش و سرور کی محفلیں گرم کرتے۔

کچھ عجیب سا ماحول تھا ان لوگوں کا ——

رابعہ نے ایسی محفلیں بھی دیکھیں —— جہاں لوگ اپنے خاندان کی عورتوں کو لے کر آتے ——

کچھ ایسی محفلیں —— جہاں کوئی تمیز نہ رہتی کہ یہ باپ ہے —— وہ بیٹا ہے —— یا بھائی ہے ——

اس معاملے میں وہ مساوات کی مثال تھے ——

ایک روز رابعہ ایک ایسے آدمی سے ملی ——

جو سرکار کا بہت بڑا افسر تھا۔ فخر نے اس سے کوئی ٹینڈر پاس کروانا تھا۔ اسی افسر کا بیٹا فخر کے راستے کا پتھر بنا ہوا تھا۔ فخر نے اس کے بیٹے کو بھی رام کر لیا ——

اور پھر باپ نے بیٹے کے حق میں دستبرداری اختیار کر لی عجیب عجیب واقعات تھے ——

عشرت گھاگ تھی ——

لوگ اس کی عیاری بھانپ لیتے ——

رابعہ معصوم تھی —— وہ جیت جاتی۔ اس لئے آج کل فخر رابعہ پر بہت مہربان تھا۔ اس کے لئے دس دس پندرہ پندرہ ہزار روپے کی شاپنگ کرتا۔

ایک الگ کار اس کی خدمت کے لئے موجود تھی۔ مگر رابعہ خوش نہ تھی۔

جھوٹ بول بول کر فریب دے دے کر وہ تنگ آ گئی تھی۔ وہ یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ مگر فخر کا جال بہت مضبوط تھا۔

کبھی کبھی اس کا دل چاہتا ان بکھرے ستاروں کا منہ نوچ لے۔
چاند کی مرمریں چاندنی کی چادر سر سے کھینچ لے اور اسے بھی دنیا کے سامنے
بے نقاب کر دے۔

لیکن ——

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا۔ جب اس کا جی چاہتا اس مستی بھری خوشبوؤں
سے بوجھل دل آویز ہواؤں کے قدموں سے لپٹ جائے اور ان سے پوچھے۔
بتاؤ۔ میرے آبشاروں کی جھنکار کہاں ہے۔
میرے گیتوں کا ساز کہاں ہے۔
میری غزلوں کا ترنم کہاں ہے۔
میں نے تو ایسے خواب کبھی نہیں دیکھے تھے۔
میرے خواب تو بہت حسین تھے —— بہت پیارے۔
جہاں میں اس اداس آنکھوں والے انور کے ساتھ قدم ملا کر چل رہی

ہوں۔

وہ نقشا ـــــ وہ خوابوں کی فضا اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ قوس و قزح کے رنگ میں ڈوبا ڈوبا ماحول میرے دل کے کورے کاغذ پر تو صرف ایک ہی نام لکھا ہوا تھا ـــــ یہ سارا کا غذ سیاہی میں کیوں ڈوب گیا تھا

خواب بے تعبیر کیوں ہو گئے ـــــ ڈھونڈ کیوں گئے۔

نہ شہنائی بجی ـــــ نہ مہندی رچی ـــــ نہ پایل کے دردھیرے گیت گائے گئے ـــــ

اور میں دلہن بن گئی ـــــ

میں ـــــ میں نے مدھر خوشبوؤں کی ان گنت پریوں کو دیکھا تھا جو دلکش ساز کی لے پر مستانہ وار تھرک رہی تھیں۔

میں نے بیاہ کا سرخ جوڑا نہیں پہنا ـــــ

لیکن میں دلہن بنا دی گئی ـــــ

میرے رخساروں پر گلابی نہیں کھل رہے تھے خوف کی پرچھائیاں تھیں۔

یہ تمام خوابوں کی بارات لٹ گئی ـــــ پھولوں سے لدی پالکی میں بیٹھ کر پیا کے دیس جانے کا سوچا تھا۔

وہ پالکی کہاں ہے ـــــ کہاں ہے ـــــ

میں ہار گئی اور دل پر بھاری پتھر رکھے اپنے جنازے کو دیکھتی رہی۔

میں اپنے جنازے کو کندھے پر اٹھائے جانے کہاں کہاں جاتی ہوں۔

اور اب ـــــ اب تو غبارے کے دائروں میں الجھ گئی ہوں۔

مجھے کہیں زمین نہیں ملی کہ اپنی لاش دفن کر دیتی اور اب تو تاریکیوں کو تقدیر سمجھ کر سمجھوتہ کر بیٹھی ہوں۔

اکثر وبیٹھے بیٹھے چیخ اٹھتی ــــ تب اس کے دماغ کی رگیں پھٹنے لگیں
اور وہ گھبرا کر کہیں نکل جاتی ــــ
آج بھی وہ جلدی جلدی تیار ہوئی نکلنے کو تھی کہ فخر آگیا۔
جی ــــ
وہ مسکرائی ــــ
باہر گاڑی میں تمہارا انتظار ہو رہا ہے ــــ
فخر بولا ــــ
کون ہے ــــ
میر ستار ــــ
اچھا ــــ
وہ اپنے کپڑوں پر سینٹ اسپرے کرنے لگی ــــ
بڑا چالاک بنتا ہے ــــ اس مرتبہ اس سے یہ کام ہو جانا چاہیئے۔
سینما کا پلاٹ ہاتھ سے نہ جائے ــــ
تمہارا کیبن کس نام سے ہے ــــ
رابعہ بولی ــــ
میرے بیٹے نصر کے نام سے ــــ
بس ٹھیک ــــ آج ہوا سمجھو ــــ
رابعہ بیگ اٹھا کر باہر نکل گئی ــــ
میر ستار خود ہی ڈرائیو کر رہا تھا ــــ
وہ اس کے قریب ہی جا کر بیٹھ گئی ــــ
کلب چلیں ــــ

میر نے کہا ——

جیسے آپ چاہیں —— دیکھتے ہیں اگر کوئی جاننے والا نہ ہوا تو وہیں بیٹھ جائیں گے۔

میر نے کار اسٹارٹ کی ——

آپ جاننے والوں سے اتنا ڈرتے کیوں ہیں۔

رابعہ ہنس کر بولی ——

بدنامی ہوتی ہے نا —— اور ہم لوگ اپنے کام میں بہت ریزرو رہتے ہیں۔ لوگ کمزوریاں پکڑ کر بلیک میل کرنا چاہتے ہیں۔

میر بولا ——

کیا ہوا پھر —— آپ صرف افسر نہیں انسان بھی ہیں۔ ہر انسان کو اپنا حساب خود دینا ہوتا ہے۔

تم ٹھیک کہتی ہو —— مگر احتیاط نہ کی جائے تو لیس پڑا ہو جاتا ہے۔

اب تم حسن سیما کی زمین لینا چاہتی ہو —— اس پر کئی نظریں ہیں لوگ تمہیں میرے ساتھ دیکھیں گے۔ کل کو مجھ پر کیس بنا دیں گے۔ ہر چیز حساب کتاب سے کرنا پڑتی ہے۔

وہ حساب کتاب کیا ہے ——

رابعہ ہنسی ——

سب کچھ ہیر پھیر —— کچھ خاص طریقے ہوتے ہیں۔

میر مسکرا کر بولا۔

میر صاحب اگر ایک عام آدمی حوالہ بھی ہو۔ آپ کے پاس ایسا کام لے کر جائے تو کیا آپ اس کا کام بھی کر دیتے ہیں ——

ہمارا دماغ خراب ہے کیا ——

میر ہنسا ——

کیوں ——

ہم اسی کا کام کرتے ہیں جس سے ہمیں کچھ فائدہ ہو یا کوئی ایسا آدمی سفارش کرے جو اس کے بدلے میں وہ ہمارا کوئی کام کرے ——

بڑی محبت ہے عوام سے آپ کو ——

رابعہ ہنس کر بولی ——

کیا کیا جائے ——

ویسے آپ لوگوں نے جو سرخانے کے لفظ لکھے ہوئے ہیں وہ بھی خوب ہیں۔

میر نے قہقہہ لگایا اور بولا ——

تھوڑی سی آس دلائی جائے۔ پھر کوئی ایسا رخنہ ڈال دیا جائے۔ وہ آدمی پھر ساری عمر اس کے پیچھے پڑا رہتا ہے ——

سیاست اسی کا نام ہے ——

رابعہ آہستہ سے بولی ——

آف کورس —— پرسوں میرے پاس ایک بہت بڑے آدمی کا سفارشی خط آیا۔ مجھے اس کو ٹالنا تھا۔ مگر سفارش کرنے والے کو بھی خوش کرنا ضروری تھا تم جانتے ہو میں نے کیا کیا؟ اس کے کیس پر لکھ دیا کہ فوراً اس کا کام کیا جائے۔ وہ شخص جب فائل لے کر گیا تو اتنا خوش تھا کہ میں بتا نہیں سکتا۔ وہ میرے کمرے سے نکلا تو میں نے متعلقہ افسر کو فون کیا کہ یہ کام نہیں کرنا ہے کوئی ایسا رخنہ ڈال دیا جائے کہ قصور مجھ پر نہ رہے۔

رابعہ زور سے ہنس دی ——

میری جان اسی کو سیاست کہتے ہیں ـــــ اب تم دیکھو سارے لوگ دال روٹی کے چکر میں الجھے ہوئے ہیں۔ انہیں ایسے چکروں میں ڈال دو تا تو ان کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ ہر آدمی اپنا چکر چلاتا ہے ـــــ اور اسی طرح ملک چلتے ہیں۔ حکومتیں چلتی ہیں۔

کلب کے باہر گاڑی رکی ـــــ

رابعہ اتری ـــــ اس نے دیکھا ـــــ

سامنے ٹیکسی کا سہارا لئے انور کھڑا ہے۔

اس کی نظریں جم کر رہ گئیں ـــــ

جانے کیوں ـــــ

اسے اپنے دل میں ایک میٹھی سی چبھن محسوس ہوئی ـــــ

کون تھا ـــــ

میر ستار بولا ـــــ

تھا ایک ـــــ آپ پوچھ کر کیا کریں گے ـــــ

رابعہ آہستہ سے بولی ـــــ

لیکن انور کو دیکھ کر اس کے دل کے زخموں نے پھر جیسے تازہ کر دیا تھا ـــــ ماضی کے شکستہ مزاروں کی بے کفن لاشیں رسوا سی نظر آنے لگی تھیں۔

حالانکہ اس نے بھرپور کوشش سے ان زخموں کو ایک حد تک بھر لیا تھا وہ چاہتی تھی ـــــ کہ ماضی دفن ہو جائے۔ بس ایک نقطہ بن جائے۔ تو پھر میں نیا چہرہ لگا کر ـــــ نیا دل لے کر اس دنیا میں نہ ہوں۔

اس نے میر ستار کے کندھوں پر اپنا سر رکھ دیا ـــــ اور پھر وہ اس کے سینے میں سر چھپا کر رونے لگی۔

جیسے وہ انور تھا ــــــ اس نے پاگلوں کی طرح اسے پیار کیا۔ میر ستار نے خوش ہو کر اسے سینما کے دو پلاٹ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن وہ تو اپنے انور کو پیار کر رہی تھی۔۔

اور پھر یوں ــــــ

وقت کی جھلسی ہوئی ہواؤں کی پالکی میں وہ بیٹھی زندگی گذار رہی تھی۔

اسے فخر کے ہاں آئے ہوئے ایک سال ہو گیا تھا۔

اس نے اپنی ساری مجبوریوں کے باوجود انور کے نام کو دل سے نہ مٹایا۔

کبھی کبھی یادوں کی پازیب ٹوٹ کر بکھر جاتی تو زرد زرد چاندنی میں وہ اکیلی گھر سے باہر نکل جاتی۔

اور ماضی کے آذر کدوں میں جا کر انور کی یادوں کے بت تراشتی ــ گھنٹوں پوجتی اور یکبارگی انہیں توڑ کر پھر اسی دنیا میں چلی آتی۔

جہاں عشرت تھی ــــــ فخر تھا ــــــ اور ان گنت ہوس کے بھوکے لوگ تھے۔

کیف و نشاط کی بارشیں برستیں لیکن ایسے میں بھی انور دل کے دروازے پہ ہلکی ہلکی دستک دیتا رہتا۔

اور پھر غیر شعوری طور پر دل کے دروازے کھول دیتی۔ اور وہ آہستہ سے دہلیز پر آکر کھڑا ہو جاتا۔
جس نے گھر کے چھوٹے سے آنگن میں نظروں کی تپش سے اس کے دل میں پیار کی جوت جگائی تھی۔
اور اسی لمحے اس نے اپنے ذہن کی دیوار دل میں سپنوں کا شیش محل تعمیر کر لیا تھا۔
مگر وہ شیش محل کرچی کرچی ہو گیا تھا ـــــــ
اور اب وہ فخر کی اس دنیا سے تنگ آ گئی تھی۔
وہ اسے چھوڑ دینا چاہتی تھی ـــــــ
آج ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اس نے فخر اور عشرت کی کوئی بات نہ مانی۔
انہیں صاف جواب دے دیا تھا کہ اب اس سے یہ سب کچھ نہیں ہو گا۔
عشرت بھی جان گئی تھی کہ اب رابعہ واقعی باغی ہو گئی ہے اور کسی دن بھی یہاں سے چلی جائے گی بس ٹھکانہ ڈھونڈ رہی ہے۔ اس نے فخر سے رابعہ کے سلسلے میں بڑی لمبی بات کی اور اس کا حل بھی فخر کو بتایا۔
فخر نے اسے ایک طوائف کے ہاتھ فروخت کر دیا اور طوائف نے اسے گانے کی تعلیم دلانی شروع کر دی تھی۔ اب وہ کوٹھے پر تھی۔ لیکن فخر کے گھر سے اسے یہ کوٹھا بہتر لگتا تھا۔
وہ یہاں مطمئن تھی ـــــــ
اب اس کا نام نیلم بائی تھا ـــــــ

اس کوٹھے پر اس کی حکومت تھی ـــــــ

وہ خوبصورت تھی ـــــ بہت سارے لوگوں سے ملنے کے بعد اُسے زمانے کی سمجھ آ گئی تھی ـــــ

مگر اس کی محبت میں ایک خاص ٹھہراؤ تھا۔ باتوں میں متانت تھی۔ اور شخصیت میں دلکشی۔

وہ یہاں پر مقبول ہوتی گئی ـــــ

اپنی نیند سوتی اپنی نیند اٹھتی۔ اب اس نے یہاں سے نکلنے کا ارادہ ختم کر دیا تھا۔ جاتی بھی تو کہاں۔ یہاں کم از کم اس کے لئے سر چھپانے کی جگہ تو تھی ـــ عزت نہ سہی ـــــ اور اب وہ اس لفظ کو اپنی زندگی سے خارج کر چکی تھی۔

وہ اب کہاں عزت دار تھی ـــــ

اب تو وہ طوائف تھی ـــــ

یونہی زندگی گزر رہی تھی ـــــ

بہت سارے چاہنے والے تھے ـــ وہ سب کی باتیں سنتی۔ ہنستی ـــ مسکراتی ـــــ مگر اب تک ایک بھی ایسی ہستی اس کے سامنے نہ آئی تھی جسے وہ خود چاہتی ـــــ

خان بہادر آفت نور نگر کہتے ـــ کتنی کٹھور ہو تم نیلم ـــ کتنی بے رحم۔ تمہیں ہم پر ترس نہیں آتا۔ ہمیں دیکھو ہم اپنی ریاست کے ہزاروں کام چھوڑ کر تمہارے پاؤں میں پڑے ہیں۔

وہ مسکرا دیتی ـــــ

فلموں کا بہت مشہور ہیرو رازی رات کو لیٹے حواریوں کے ساتھ نشے میں جھومتا ہوا آتا اور کہتا۔ کسی سے نہ کہنا نیلم میں تمہارا شیدائی ہوں۔ نہیں تو میرے سکینڈل بن جائیں گے۔

فلموں کا بہت بڑا پروڈیوسر اور ڈائریکٹر جان محمد آکر گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ گانا سنتا۔ ہر چیز کو کیمرے کی نظر سے پرکھتا اور اپنے ساتھ بیٹھے دوست کو کہتا۔ ایمان سے اس کو راضی کر لو۔ پہلی فلم میں ہیروئن بنا دوں گا اور تہلکہ مچ جائے گا ـــــ نیلم ہر طرح موزوں ہے۔ لانگ میں ـــ کلوز میں ـــ مڈ شاٹ میں ـــ سب ہی لاجواب ہیں۔

اس بہت بڑا سرکاری افسر اس وقت آتا جب لوگ چلے جاتے۔ وہ ہمیشہ خوفزدہ رہتا ـــ ہر وقت چوکنا ـــ کوئی آنہ جائے ـــ نیلم کو اس کی بوکھلاہٹ پر بڑی ہنسی آتی ـــ

وہ ہمیشہ کہتا ـــ میں کام میں اتنا مصروف رہتا ہوں تفریح میرے لئے ناممکن ہو گئی ہے۔ بیوی میں بھی دلچسپی نہیں۔ بس اب تو وہ دال لگتی ہے اور ہر روز دال کون کھا سکتا ہے۔

بس اسی طرح زندگی بیت رہی تھی ـــ وہ تھکی تھکی سی بیٹھی ہوتی۔ تو اذان کی آواز سے اس کے جسم کا رواں رواں لرز اٹھتا ـــ اذان دینے والے کی آواز اسے پکار اٹھتی۔ اس کا جی چاہتا کہ وہ بھاگ کر وہاں پہنچ جائے۔

ایک دن ایک لڑکا مسجد کا چندہ لینے آیا ـــ تو اسے پتہ چلا گلی والی مسجد میں یہی لڑکا اذان دیتا ہے۔ لڑکے کے کپڑوں میں پیوند لگے تھے اور اس کی عمر بمشکل پندرہ یا سولہ سال تھی۔

لڑکے کا نام رضا حسن تھا۔ اس روز رضا حسن نے اسے نعتیں سنائیں۔ اس کی آواز میں ناقابل بیان سحر تھا ـــ

پھر وہ لڑکا اکثر وہاں آنے لگا ـــ

دیتی جب فاتحہ نیاز دلواتی۔ رضا حسن کو بلوا بھیجتی ــــــ
لیکن ایک وقت ایسا آیا کہ وہ کئی روز نہ آیا تو وہ خود مسجد گئی۔ پتہ چلا کہ مولوی صاحب نے اسے مارا ہے اور نیلم کے پاس جانے سے منع کیا ہے۔
تب نیلم نے مولوی صاحب کو اس کا تمام خرچہ ادا کر دیا۔ اور رضا حسن کو ساتھ لے آئی ــــــ

رضا حسن کی آواز سن کر ہی اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اسے کچھ بنا لے گی۔ وہ دنیا کو اتنی خوبصورت آواز سے روشناس ضرور کرائے گی۔ لہٰذا اس نے رضا حسن پر محنت شروع کر دی۔ اس کے لئے خاص استاد رکھے۔ اسے اسکول داخل کیا ــــــ اور اس کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لی۔
یوں بھی رضا حسن کو سنوارنے بنانے میں اس کا اپنا وقت بہت اچھا بیت رہا تھا۔ وہ شرمیلا سا لڑکا بھی اس سے بہت پیار کرتا تھا۔

پڑوس میں پینو رہتی تھی۔ پڑھی لکھی تھی ——— اچھے اخلاق والی تھی۔ اس لئے نیلم سے اس کی دوستی ہو گئی تھی۔

کبھی کبھی وہ پینو کے ساتھ باہر جایا کرتی تھی۔ آج بھی پینو برقع اوڑھے آگئی ———

چل رہی ہو نیلم ———

کہاں ———

نیلم نے پوچھا ———

ڈریم لینڈ میں بڑی اچھی انگریزی فلم چل رہی ہے۔

تم کہتی ہو تو چلی چلتی ہوں ———

نیلم مسکرا کر بولی ———

نیلم نے برقع لیا اور پینو کے ساتھ باہر نکل آئی۔ سامنے ہی ٹیکسی اسٹینڈ تھا۔ ایک ہی ٹیکسی کھڑی تھی۔ وہ جلدی سے بیٹھ گئیں۔

راستے میں پینو نے پوچھا۔
تم کار کیوں نہیں لیتی نیلم۔ پیسہ تو بہت ہے تمہارے پاس۔
کیا کروں گی کار کو ——
نیلم بولی ——
بڑی سہولت ہوتی ہے —— لے لو ——
لے لیں گے ——
راستہ بھر سے پرچار ہی ہوتا —— پینو نے پوچھا ——
ہاں —— جانا ہی پڑے گا ——
پورے راستے پینو نیلم سے اپنے شب و روز کی عام سی باتیں کرتی آئی جب ڈریم لینڈ آ گیا اور نیلم ٹیکسی والے کو پیسے دینے لگی۔
تو وہ ایک دم چونکی ——
وہ ٹیکسی ڈرائیور انور تھا ——
وہ کانپ سی گئی ——
انور جس نے اسے بیچ بھنور میں تنہا چھوڑ دیا تھا جسے اپنانے کا اس نے ارمان کیا تھا —— مگر اب ارمانوں کے گلاب مرجھا گئے تھے۔ ان کی جگہ زخم تھے ——
انور بابو ——
وہ کانپتے لبوں کے ساتھ بولی ——
فرمائیے ——
وہ شاکی سی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔
تم سے بہت سی باتیں کرنا ہیں انور بابو۔ کوئی وقت نکال سکو گے۔

نیلم ہولے سے بولی ــــــ
جہاں تم رہتی ہو میں وہاں نہیں آسکوں گا۔
انور نظریں جھکائے بولا۔
تم جہاں رہتے ہو میں وہاں آجاؤں گی ــــــ
نیلم جلدی سے بولی ــــــ
تم وہاں نہیں آسکتیں ــــــ
انور تلخی سے بولا ــــــ
وہاں ــــ وہاں کیا ہے ــــــ
نیلم کی آواز بھرا گئی ــــــ
وہاں میری کائنات ہے۔ میری ماں ہے۔
انور نے کہا ــــــ
تو ــــ تو پھر کہاں ملو گے ــــــ
نیلم کی آواز میں بیچارگی تھی۔ التجا تھی۔
کہیں نہیں ــــــ
کیوں ــــ کیوں ــــ
رابعہ کہتی تو میں سر کے بل آتا ــــ مگر نیلم سے میرا کوئی تعلق نہیں۔ میں
نیلم کو ملنے نہیں جاسکتا ــــــ
جانتی ہوں ــــــ
نیلم کی آواز میں طنز تھا ــــــ
کیا ــــ
رابعہ نے تم سے التجا کی تھی کہ اسے بچالو۔ تمہیں یاد ہوگا تم نے رابعہ کو لیا جواب

دیا تھا ـــــ

انور تڑپ سا گیا۔ آہستہ سے بولا۔

تمہیں کچھ پتہ نہیں۔ تمہیں کوئی علم نہیں کہ انور نے رابعہ کے لئے کیا فیصلہ کیا تھا۔

میں تم سے صرف ایک بار ملنا چاہتی ہوں انور بابو صرف ایک بار۔ جانتی ہوں تم کیا ہو ـــــ تمہیں اس بازار میں نہیں آنا چاہئیے ـــــ مگر صرف ایک بار ـــــ رابعہ کے لئے نیلم کے کوٹھے پر آجانا انور بابو ـــــ پھر کبھی نہ بلاؤں گی ـــــ میری التجا ہے ـــــ میں کل صبح تمہارا انتظار کروں گی۔ اور یہ کہتے ہوئے وہ پینو کے ساتھ ہال کے اندر چلی گئی۔ پینو ٹکٹ لے رہی تھی اور اس کی نظریں اب تک باہر تھیں۔ ٹیکسی پر کچھ سواریاں بیٹھ گئیں۔ اور انور انہیں لے کر چلا گیا تھا۔

پینو ٹکٹ لے آئی تو وہ سوچ میں کھوئی ہال کے اندر چلی گئی۔

رات مجرے سے لوٹی تو وہ پوری طرح تھکی ہوئی تھی ـــــ

اکثر یہ ہوا کرتا کہ وہ سارا دن سوئی رہتی لیکن آج اسے نیند نہیں آرہی تھی۔

دل میں امید تھی ـــــ شاید انور آجائے۔

آج کئی سال بعد بھی انور کے لئے ویسا ہی جذبہ تھا اس کے دل میں۔ حالانکہ اب اس کا انور پر کوئی حق نہیں تھا ـــــ

وہ غیرت والا شریف آدمی ہے ـــــ

اور وہ خود جو رابعہ سے کٹی تھی اور اب نیلم بن کر صرف راستے کا میلا غبار تھی۔

اس نے سوچا اتنے سالوں کا وقفہ ـــــ ان دو کناروں کے بیچ اپنی زندگی کا طوفانی دریا بہا ہے۔ اس کنارے پر مجھے تم ملے تھے۔ تمہیں میں نے دل ہی دل میں

اپنا ساتھی بنا لیا تھا۔ تمہارے خواب پلکوں پر سجائے تھے۔ لیکن تمہاری رفاقت مجھے نہیں ملی۔ میں تہہ دل سے تھی ——————

اور اب ——————

اب تو میرے اور تمہارے درمیان ایک پختہ اور ناقابل عبور دیوار ہے۔ تم یہاں آتے ہوئے ڈرتے ہو۔ کیونکہ میری گلیاں رنگ برنگے ہاروں قمقموں سے سجی ہوئی ہیں۔

تم ٹھیک سوچتے ہو —— تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیئے۔ اس لئے کہ تم ہر دلوگ کسی کا درد کیا جانو —— تمہیں کیا پتہ کہ درد کا ایک بیکراں سمندر اب بھی میری آنکھوں میں موجیں مار رہا ہے۔

تمہیں کیا پتہ۔ میں نے وہ پل ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے ایک خوبصورت تیتلی کی طرح مٹھی میں بند کر رکھا ہے۔ جب تم نے مجھے چاہت کی نظروں سے دیکھا تھا ——————

وہ بڑی بے چین —— اپنے جذبات کو روکے اس کا انتظار کر رہی تھی ——————

اپنے بکھرے ہوئے خیالوں کو لفظوں کے سانچے میں ڈھال کر جملے بنا رہی تھی —— کہاں سے بات شروع کروں گی —— کس طرح ماضی کے چہرے سے نقاب اٹھا کر حال کی تصویر پیش کروں گی —— وہ آئے گا تو اس سے کہوں گی کیا ——————

دروازے کا پردہ ہلا —— اس کا دل دھڑکنے لگا۔ لیکن دیر تک کوئی اندر نہ آیا۔

تو اس نے جھانک کر دیکھا —— دروازے کے پیچھے معمولی سی چپل میں

دھول سے اٹھے ہوئے تھکے تھکے سے پاؤں کو اس نے پہچان لیا ____

یہ پاؤں ____ کئی بار اس کے ساتھ کہکشاں کی سیڑھیوں تک گئے ہیں۔

اس نے اسے آواز دینا چاہی لیکن گلا رندھ گیا۔

آئیے انور بابو ____

وہ اندر آیا ____

اس کے چہرے پر جلال تھا ____

اور تسلیم کی نظروں نے اس جلال کی دل ہی دل میں میٹھی سی چبھن محسوس کی۔

بائی جی مہمان تشریف لائے ہیں ____

اس کا نوکر دور سے بولا ____

اس فقرے نے انور کا رنگ بدل دیا ____

وہ اس کے ساتھ ہی اس کے کمرے میں آگیا۔

دونوں خاموش تھے لیکن دلوں کے اندر طوفان کے جھکڑ چل رہے تھے۔

تم کہاں آگئیں رابعہ ____

بڑی دیر بعد انور بولا ____

قسمت لے آئی انور بابو ____ ورنہ میرے تو تصور میں بھی ان جگہوں کا نام نہیں تھا ____ مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا کہ دنیا میں ایسی جگہیں بھی ہوتی ہیں۔

وہ رندھی ہوئی آواز میں بولی ____

تم ____ مر جاتیں رابعہ ____ لیکن یہاں نہ آتیں

انور بابو میرے ساتھ دھوکہ ہوا ____ میں نور سے بیزار ہو کر یہاں آئی تھی۔ مگر یہاں تو ہر جگہ ____ ہر موڑ پر ____ ہر راہ میں نور سے بستے ہیں۔

مجھے آصف بھائی بن کر ملا تھا۔ لیکن اس بھائی نے میرا سودا کر دیا۔ میں اس کے ساتھ اس لئے آئی تھی کہ وہ مجھے کہیں کام دلوا دے گا اور میرے ابا کو میرے پاس لے آئے گا اور پھر ــــ پھر انور بابو میں یکتی یکاتی یہاں پہنچ گئی ــــ اب میں اپنے اندر نہیں جھانکتی۔ اپنی ذات سے کچھ نہیں پوچھتی۔ کبھی نہیں سوچتی کہ رشتے کیا ہوتے ہیں۔ پابندیاں اور سیتیاں کون سی ہیں۔ اور نہ ہی میں نے کبھی آنے والے زمانے کے بارے میں سوچا ہے۔ جو کچھ ہو جائے ٹھیک ہے ــــ جو کچھ مل جائے غنیمت ہے ــــ زندہ رہوں یا مر جاؤں۔ ایک ہی بات ہے۔ احساس مر گیا ہے۔

رابعہ ــــ انور تڑپ سا گیا ــــ

رابعہ ہوں ــــ کٹی ہوں یا پیام ــــ کچھ پتہ نہیں کون ہوں۔ کیا ہوں۔ یہاں رقص و سرود کی محفلیں سجتی ہیں۔ مدہوش مدہوش بہکے بہکے سے لوگ آتے ہیں۔ کوئی میری تعریف کرتا ہے۔ کسی کو میری آواز پسند ہے۔ کوئی میری آنکھوں کا شیدائی ہے ــــ ان کی تعریف سے میں خوش ہوتی ہوں یا خفا ــــ مجھے یہ پتہ نہیں ــــ

اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ ہاتھ ٹھنڈے ہو گئے تھے ــــ

انور خاموش بیٹھا تھا ــــ

انور بابو ــــ میں تو اپنی ہی باتیں کرنے لگی۔ یہ تو بتاؤ تم کیسے ہو۔ تمہارے گھر میں تو خیریت ہے نا ــــ سب خوش ہیں ــــ

ہاں ہاں ــــ سب ٹھیک ہیں۔

انور کھویا کھویا سا بولا۔

انور خاموش سا بیٹھا تھا ــــ

کوئی بات کرو انور بابو ـــــ

وہ مسکرا کر بولی ـــــ

انور کی آنکھوں کے ڈورے سرخ سرخ سے ہو گئے تھے۔ تمہارے سر کا بوجھ ہلکا ہوا یا نہیں ـــــ

وہ آہستہ سے بولی ـــــ

میں ابھی تک ویسا ہی ہوں۔ کسی کے لئے کچھ نہ کر سکا۔

انور نے کہا ـــــ

انور بابو ـــــ ادھر آؤ ـــــ

وہ اسے الماری کے پاس لے گئی۔

بہت سے زیورات اور نوٹوں کی گڈیاں رومال میں باندھیں۔

اور انور کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

میں بہت بری عورت تھی۔ مگر یہ سب کچھ بڑی قربانی اور قیمت دے کر مجھے ملا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تمہارا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ بخدا اس میں کوئی لالچ کوئی صلہ میں نہیں چاہتی بجز اس لئے ـــــ اس لئے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے لئے کچھ کر سکوں۔ یہ لے جاؤ انور بابو ـــــ خدا کے لئے انکار نہ کرنا۔ مجھے ایک خوشی کا لمحہ مل جائے گا۔ اگر تم میری بات مان لو گے ـــــ انکار نہ کرنا ـــــ

اس کے لہجے میں التجا تھی ـــــ بے چارگی تھی ـــــ

یہ ـــــ تم کیا کر رہی ہو ـــــ

انور پریشان ہو کر بولا ـــــ

میری بات مان لو انور ـــــ

اس کی آواز بھرا گئی ــــــ

نہیں نہیں ــــــ یہ نہیں ہو سکتا ــــــ انور نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا ــــــ

اور تیز تیز قدموں سے باہر نکل گیا ــــــ

رومال میں بندھے ہوئے زیور اور روپے نیلم کے ہاتھ میں پکڑے رہ گئے۔

وہ تھکے سے انداز میں وہیں بیٹھ گئی ــــــ

وہ چلا گیا تھا ــــــ سب کچھ ٹھکرا کر ــــــ

اس کی آنکھوں میں آنسو ڈھلک آئے ــــــ

اسی لمحے رضا اندر آیا ــــــ وہ ابھی ابھی اسکول سے آیا تھا۔ خاموش سا اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

کیا ہوا رضا ــــــ

کچھ نہیں جی ــــــ وہ اسکول کے لڑکے لڑ پڑے تھے۔

رضا آہستہ سے بولا ــــــ

کیوں ــــــ

بس انہوں نے آپ کے بارے میں ایک عجیب سی بات کر دی تھی۔ میں نے برداشت نہیں کی۔

رضا کا چہرہ سرخ ہو گیا ــــــ

رضا تم لڑا جھگڑا نہ کرو ــــــ اگر کوئی کچھ کہے تو بس یوں گذر جایا کرو جیسے تم نے کچھ نہیں سنا۔

نیلم بولی ــــــ

رضا خاموش ہو گیا ــــــ

جاؤ منہ ہاتھ دھو کر کھانا کھالو ـــــ اور ہاں تھوڑا سا آرام کرلو۔ پھر خان صاحب آجائیں گے۔

آج میں ستار نہیں بجا سکتا میڈم ـــــ

رضا بولا ـــــ

کیوں ـــــ

میری انگلیاں زخمی ہو گئی ہیں مضراب اٹکتا نہیں ـــــ

رضا اپنی انگلی دکھا کر بولا ـــــ

تو ٹھیک ہے کچھ دن ستار کے بغیر ریاض کرلو ـــــ

نیلم بولی ـــــ

رضا جانے لگا تو نیلم نے پھر پکارا ـــــ

رضا میں دیکھ رہی ہوں تمہاری گانے سے دلچسپی کم ہوتی جا رہی ہے میری ایک بات پلّے باندھ لو ـــــ محنت سے گانا سیکھو گے تو ایک دن بہت بڑے فن کار بن جاؤ گے اور اگر تم نے بے دلی دکھائی تو پھر یہ سب ابھی سے چھوڑ دو ـــــ

رضا خاموش تھا

بولو نا ـــــ محنت کرو گے نا ـــــ

نیلم نے پوچھا ـــــ

جی ـــــ

رضا بولا ـــــ

تو جاؤ کھانا کھالو ـــــ اور پھر سیدھا اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ میں یہاں کے لڑکوں سے تمہاری دوستی کو پسند نہیں کرتی ـــــ فارغ وقت

میں کتابیں پڑھا کرو ــــ میں نے تمہارے لئے کتنے میگزین لگوائے ہیں وہ یوں ہی پڑے رہتے ہیں اور تم اوپر چڑھ کر پتنگ اڑاتے رہتے ہو۔

جی مجھے پتنگ اڑانے کا بہت شوق ہے ایک روز میں اذان دے رہا تھا ایک پتنگ میرے قریب آکر رکی تو میں ــــ بس اس روز مجھے مولوی صاحب نے بہت مارا تھا ــــ مگر مجھے بڑا اچھا لگتا ہے جی پتنگ اڑانا ــــ

ٹھیک ہے کل سے میں تمہارے ساتھ چھت پر پتنگ اڑاؤں گی۔

ٹھیک ہے ــــ نیلم مسکرائی ــــ

میں پتنگ اڑاؤں گا ــــ اور آپ چرخی پکڑیں گی۔ ٹھیک۔

رضا مسکرا کر بولا ــــ

ٹھیک ــــ نیلم بھی ہنس دی ــــ

صبح جب وہ رضا حسن کے ساتھ چھت پر کھڑی تھی۔ رضا پتنگ اڑا رہا تھا اور اس نے ڈور کی چرخی پکڑی ہوئی تھی۔

رضا حسن بہت خوش تھا۔ اس نے دوسرے لڑکوں کی کئی پتنگیں کاٹی تھیں۔ اپنے کارنامے بڑے مزے سے وہ نیلم کو سنا رہا تھا اور وہ دور آسمانوں پر ایک کٹی پتنگ کو دیکھ رہی تھی جو ٹوٹی ٹوٹی سی خلاؤں میں لڑھک رہی تھی۔

تب وہ اس کھیل سے تنگ آکر نیچے اتر آئی ــــ

پینو آگئی ــــ وہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔ پینو نے پاندان اپنے آگے سرکا لیا اور پان لگا کر نیلم کو دیا اور اپنے منہ میں گلوری بھر کر بولی ــــ

وہ مویا جس سے اکیلی ہے ــــ

کون ــــ؟

نیلم نے پوچھا ——
یہاں کا ٹھیکدار ——
یہاں کا ٹھیکدار —— ؟
نیلم نے حیرت سے پوچھا ——
ہاں ہاں وہی جگا —— صبح میرے پاس آیا تھا۔ کہنے لگا جتنا عرصہ
جیل میں رہا اس کا ٹیکس دو۔
مرجانا —— ٹٹ پینا —— پھر آگیا تنگ کرنے۔
پینو غصے سے بولی ——
اچھا —— نام تو سنا ہے اس کا ——
نیلم بولی ——
جیل میں تھا تو بڑا آرام سے تھا۔ ویسے ایک فائدہ بھی ہے کمبخت کا ——
پینو نے کہا ——
فائدہ کیا ہے ——
ارے یہی جب کوئی غنڈے قسم کے لوگ گانا سننے آجاتے ہیں اور پھر ٹلی ہو جاتے ہیں ایسے وقت بس وہ اپنا چہرہ دکھا دے تو غنڈے بھاگ جاتے ہیں۔ اسی چکر میں تو جیل گیا تھا۔ وہ بہت ہی زیادہ پیے ہوئے تھا۔ ہلڑ مچانے لگا تو ثریا نے جگے کو بلوا بھیجا —— پولیس افسر نے جگے کو رعب دیا لیکن جگے نے پٹائی کر دی۔
اور پھر اس نے ایک سال کے لئے اندر کروا دیا۔
پھر تو وہ ٹیکس ٹھیک ہی لیتا ہے ——
نیلم بولی ——

ابھی وہ باتیں ہی کر رہی تھیں کہ انھوں نے دیکھا ——
دو آدمیوں کے ساتھ وہ اوپر آگیا ——
اچھا تو یہ ہے نیلم ——
نیلم کو وہ شاہ بلوط کے تنے کی طرح مضبوط نظر آیا۔ پہلوان کی طرح کسرتی جسم سرخ سرخ آنکھیں۔ خوفناک سی مسکراہٹ۔
بیٹھ جاؤ ——
نیلم نے کہا ——
تیری بڑی تعریف سنی ہے اور دیکھ نکھرے نہ کرنا کسی موقعہ پر بھی میری ضرورت پڑے تو بندہ بھیج کر بلوا لینا۔ پچھلا حساب میں نے معاف کیا۔ لیکن آج کے بعد میری پتی ہے سمجھ گئی نا ——
وہ ہنس کر بولا ——
سمجھ گئی —— نیلم ہنس کر بولی ——
لڑکی سمجھدار ہے جگا اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر بولا۔
کیا بات ہے پہلوان —— پڑھائی لکھائی کا یہی تو فائدہ ہے کہ اونچ نیچ سمجھ میں آجاتی ہے۔ اب اس کی جگہ کوئی جاہل گنوار ہوتی تو اکڑ جاتی ——
دوسرا آدمی بولا ——
اکڑ جاتی تو ہم کیا لیتے۔ گردن اکھاڑ کے پھینک دیتا۔
جگا ہنسا ——
کتنے کا ٹائم لگ جاتا ہے تمہارا ——
جگے نے پوچھا ——
یہی ہزار پانچ سو کا ——

نیلم لاپرواہی سے بولی ــــــ

اچھا ــــــ

جگے کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اپنے ساتھی کی طرف دیکھ کر بولا ــــــ لے بھئی یہ تو سچ بھی بولتی ہے۔

ہاں پہلوان جی ــــــ آج تک کسی بائی نے سو ڈیڑھ سو سے زیادہ اور ٹائم مجھے نہیں بتایا ــــــ

تو کیا میں نہیں جانتا ــــــ

جگے نے اپنے ساتھی کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

ہاں ہاں تم سب جانتے ہو ــــــ

بس یہ تو رانی لگتی ہے ــــــ اس کے ہم بھی غلام ہیں۔ سمجھ گئے نا ــــــ

جگے نے سگریٹ کا ایک لمبا کش لیا اور نیچے اتر گیا ــــــ

یہ کیا کہہ رہا تھا بینو ــــــ

نیلم گھبرا کر بولی ــــــ

یہ تو اس کی عادت ہے خوش ہو جائے نا تو یونہی کرتا ہے۔ وہ شادو ہے نا اونچے محلے والی۔ وہ مرتی ہے اس کے لئے۔

اچھا ــــــ

نیلم کو حیرت ہوئی کیونکہ شادو دھان پان سی خوبصورت لڑکی تھی اور جگا اونچا لمبا چوڑا اور قد آور تھا اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جو کبھی جھک نہیں سکتا کبھی ٹوٹ نہیں سکتا ــــــ

ہاں ہاں ــــــ جان دیتی ہے کو مرتی ہے بینو ہنسی کہنے لگی۔ شادو

کہتی تھی کہ اسے جگّے کا اکیلا پن پسند ہے۔ جیسے شیر جنگل میں اکیلا گھومتا ہے ــــ

کہا کرتی ہے اسے جگّے کی گالیاں پسند ہیں۔ اور اس کی وحشی قوت اور ساری دنیا سے ٹکر لینے کی آرزو اور چیزوں کو توڑنے پھوڑنے کی خواہش اور اب تو نیلم وہ بھی اس خواہش میں شامل ہو گئی ہے ــــ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ جگّے نے کبھی اسے چھوا تک نہیں۔ بس خاموش بیٹھ کر دیکھے جاتا ہے ــــ

اس کا خیال ہے کہ شاردا ایک کانچ کی خوبصورت صراحی کی طرح نازک اور حسین ہے اور اگر جگّے نے اسے چھو لیا تو وہ ایک چھناکے سے ہزاروں ٹکڑوں میں ٹوٹ جائے گی۔

نیلم آہستہ سے ہنسی ــــ

کسی دن ملواؤں گی تمہیں۔ بس دن رات اسی کا کلمہ پڑھتی ہے۔ اسے ملنے جیل میں بھی جاتی رہی ہے۔

پیار کرنے لگی ہو گی نا ــــ!

نیلم کھوئی کھوئی سی بولی ــــ

ہاں بہت ــــ

خاں صاحب آ گئے۔ رضا حسن کو نیچے بلوایا۔ وہ ریاض کا بھائی تھا اور اس کی خوبصورت آواز سن کر نیلم کی آنکھیں بھر آئیں۔

ٹرکم انڈیا فلم پروڈکشن اس دور کی سب سے سپر ہٹ فلموں کی خالق تھی۔
اقبال اس کے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر تھے۔

سارا دن فلموں کے شوقین لڑکے لڑکیاں اس پروڈکشن میں چانس لینے کے مارے مارے پھر رہے تھے۔

ٹرکم پروڈکشن کی کوئی فلم ریلیز ہوتی تو ٹکٹ ملنے بہت مشکل ہوتے۔ شہر میں اب تک اس ادارے کی فلمیں لگی ہوئی تھیں۔ یہ فلمیں ایک سنیما میں سال سال چلتیں —— اور برابر رش لیتیں —— ان کی کوئی فلم ایسی نہ تھی جس نے گولڈن جوبلی یا سلور جوبلی نہ منائی ہو ——

اس لحاظ سے اقبال بہت اہم آدمی تھے ان کی نظرِ کرم جہاں پڑ جائے اس کے نصیب جاگ اٹھتے تھے۔

اقبال اپنے کسی عزیز کی شادی میں نیلم کو دیکھ چکے تھے —— اسی وقت انہوں نے اندازہ لگایا تھا کہ نیلم میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں۔ جو ایک اچھی ہیروئن

بس ہونی چاہئیں ۔ بس انہیں اس کے لئے مناسب کہانی کی تلاش تھی ۔
اور آج ہی جو کہانی انہوں نے سنی تھی ۔ اس میں نیلم کے سوا کوئی فٹ نہ ہوتی تھی ۔
لہٰذا وہ چند دوستوں کے ساتھ نیلم کے ہاں چلے آئے ۔
نیلم اس وقت عام سے گلابی لباس میں تھی ــــــ
اسی طرح چلی آئی ــــــ
تشریف لائیے ــــــ وہ خوشدلی سے بولی ــــــ
بس نیلم جی قسمت جاگ اٹھی آپ کی ــــــ
دوسرا آدمی جو اقبال کے ساتھ آیا تھا بولا ــــــ
نیلم مسکرادی ــــــ اور بولی ــــــ چائے یا ٹھنڈا ــــــ
کچھ نہیں ــــــ
اقبال بولے ــــــ
کچھ تو ہو جائے ــــــ
نیلم نے کہا ــــــ
میں ذرا جلدی میں ہوں ــــــ بس کل سے گاڑی آجائے گی آپ
کو لینے ۔ آپ کا سکرین ٹیسٹ لینا ہے ۔ اور نیلم کو ناپ وغیرہ دے دیجئے
اقبال بولا ــــــ
زہے نصیب ــــــ
نیلم ہنسی ــــــ
مگر ایک بات صاف کر لیں اقبال صاحب ۔ پانچ فلمیں آپ کی ہوں گی
اور بعد میں دوسرے پروڈیوسرز کی باری آجائے گی ــــــ یہ شرط لازمی ہے ــــــ
دوسرا آدمی بولا ــــــ

مجھے منظور ہے ــــــــ

نیلم آہستہ سے بولی ــــــــ

اقبال چلے گئے ــــــــ

تو نیلم سوچنے لگی ــــــــ میں جو چاہتی نہیں وہ بھی ہو جاتا ہے ــــــــ

یہ خبر جب محلے میں اڑی تو اسے مبارکباد کے پیغام آنے لگے ــــــــ

مگر اس کے اپنے لئے یہ خبر خوش خبری کا باعث تھی یا نہیں یہ اسے اب تک سمجھ نہ آسکی تھی۔

بحرحال یوں وہ کوٹھے سے کوٹھی میں آگئی شہر کی اونچی سوسائٹی کے لوگ جہاں رہتے تھے اس نے بھی ایک وسیع کوٹھی حاصل کر لی اور وہیں رہنے لگی۔ رضا حسن اس کے ساتھ تھا ــــــــ

فلمی دنیا بھی کچھ عجیب سی تھی ـــــــ یہاں لوگوں کی بہت سی قسمیں تھیں۔
کچھ لوگ تو بہت اچھے تھے ـــــــ اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو صرف عیش و عشرت کے لئے اس لائن کو اپنائے ہوئے تھے۔

خوشامد اور جھوٹ قدم قدم پر ان کے ساتھ تھا ـــــــ
کچھ لوگ بس صرف خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے اسی لائن میں بوڑھے ہو گئے تھے۔
اقبال نے اس کا نام نور تجویز کیا تھا تب وہ ہر جگہ میڈم نوری مشہور ہو گئی۔
فلمی رسالے اس کی تصویروں سے آباد نظر آنے لگے۔ وہ واحد ہیروئن تھی۔
جس کے ساتھ روایتی قسم کی ماں یا ماما نانی نہیں تھی ـــــــ

اس کا اپنا انداز یہ بتلاتا تھا کہ فضول قسم کے لوگوں کو اس کے قریب آنے کی جرأت نہ ہوتی۔

وہ جب اسٹوڈیو آتی اپنے میک اپ روم میں بیٹھتی۔ اسکرپٹ لے کر اپنے پارٹ میں کھوئی رہتی اور جب شوٹنگ شروع ہوتی تو ہمیشہ پہلا شاٹ ہی اقبال

صاحب کو ادوکے کرنا پڑتا ـــــــ اس لئے اقبال اپنی اس دریافت سے مطمئن تھے ـــــ

دورانِ شوٹنگ اس سے کئی لوگ فری ہونے کی کوشش کرتے۔ وہ ہنستی بولتی۔ ہر ایک بات کا جواب بھی موزوں انداز میں دیتی ـــــ مگر دل میں کیا تھا کوئی نہیں جانتا تھا۔

اس کے ساتھ فلم میں اس دور کا مشہور ہیرو نعیم کام کررہا تھا ـــــ نعیم نے کئی مرتبہ اسے دعوتیں دیں ـــــ اسے ساتھ لے کر چلنے کو کہا۔ مگر وہ بڑی خوش اسلوبی سے ٹال گئی۔

دل مانتا تو ضرور چلی جاتی ـــــ مگر دل پر بس نہیں تھا۔

شوٹنگ سے تھکی ہاری آتی نور حسن سے باتیں کرتی رہتی ـــــ

اس کی فلم ریلیز ہونے میں چند ہی روز رہ گئے تھے۔ اس لئے وہ تکرمند سی تھی کیونکہ لوگ کہتے تھے کہ پہلی فلم فلاپ ہو جائے تو بہت سے مقدر ڈوب جاتے ہیں۔ اپنے لئے نہیں لیکن اقبال کے لئے اس کی دعا تھی کہ یہ فلم ہٹ ہو۔ کیونکہ اس نے بڑی محنت کی تھی ـــــ

فلم کیا ہٹ ہوئی ـــــ نوری کا مقدر ہی بدل گیا ـــــ

جس دن اس کی فلم ریلیز ہوئی اسی روز پروڈیوسروں کی لائن لگ گئی اس کی کوٹھی پر ـــــ لیکن اس نے اپنا کار مختار اقبال صاحب کو بنایا اور اقبال تھے بھی بہت اچھے انسان ـــــ انہوں نے فوراً اچھی پارٹیوں کی فلموں میں کام کرنے کی اجازت دے دی ـــــ

یہ دن نوری کی زندگی کا اہم دن تھا۔

آج ہی اس نے پانچ نئی فلمیں سائن کی تھیں جن میں اس کا ساتھ
چوٹی کے ہیرو دے رہے تھے۔
وہ مصروف ہوتی گئی ——
دن رات شوٹنگ —— طرح طرح کے روپیا —— اظہار کا
موقع ملا تو دل کا سارا درد اسی راستے سے بہہ نکلا۔ اور وہ ملکۂ جذبات بن گئی۔
آج کل اس کے پاس بہت سارے نوکر تھے۔ ڈرائیور۔ خانساماں۔
چوکیدار۔ مالی۔ ڈریس ماسٹر۔ ہیر ڈریسر۔
خود کوئی کام نہ کرنا پڑتا —— ہر چیز تیار مل جاتی۔
رضا حسن بھی اب خوب گانے لگا تھا۔ وہ اپنے کام میں بڑی محنت
کر رہا تھا اور پوری پرایرا اس کے حوصلے بڑھا رہی تھی۔
شوٹنگ سے تھکی ہاری آتی لیکن رضا حسن کے پاس بیٹھ کر سارے دن کا
حال ضرور پوچھتی۔ اس سے باتیں کرتی۔ اس کی طرف سے وہ مطمئن تھی اور
خوش بھی کہ رضا کی زندگی بن جائے گی۔
بہت سارے اچھے سے جذبے تھے رضا کے لئے اس کے دل میں۔
اور رضا بھی اس کی بہت عزت کرتا تھا۔
آج کل وہ بہت خوش تھی۔ یہ زندگی اسے پسند آگئی تھی اور بہت جلد اس
نے اس زندگی کو اپنا بھی لیا تھا۔ وہ اس میں رچ بس گئی تھی۔ یہ فلمی دنیا بھی بس
عجیب و غریب تھی اس کے یہاں بھی بہت سے عاشق تھے جو اس کی شوٹنگ
کے دوران چکر لگاتے رہتے۔ کوئی تعاون کا مشورہ دیتا۔ کوئی دولت کی چمک
دکھاتا —— اور کوئی زندگی بنانے کی گارنٹی جیب میں لئے پھرتا۔
اس کے ان عاشقوں نے بہترین سوٹ زیب تن کئے ہوئے ہوتے۔

ان کے بوٹ آئینے کی طرح چمکتے۔ کسی کے منہ میں سگار اور کوئی اعلیٰ سگریٹ پیتا۔ ان کے ہاتھ ہلا ہلا کر چلنے سے جگنو کی طرح دہکتے۔ یہ شاید ان کی انگلیوں میں پڑی ہوئی ہیرے کی انگوٹھیوں کی لو ہوتی۔ اس کائنات کی عورتیں جو فلموں میں ہیروئنیں وہیپ یا ساتھی اداکارائیں ہوتیں خوبصورت اور طرح دار تھیں۔

ان ساری عورتوں کو دولت کا کیڑا جنوں کی حد تک تھا۔ ان کی پوشاک کا کپڑا ولائتی۔ ان کے جوتے پیرس کے بنے ہوئے ہوتے۔ ان کی گھڑیاں سوئٹزرلینڈ کی صنّاعی کے بہترین نمونے۔ ان کے پرس شکاگو کی فرموں میں تیار ہوتے اور ان کی انگلیوں میں بیلجیم کے ہیرے ہوتے۔

یہ اپنے ملک کی نمائندگی کرنے باہر کے ملکوں میں جاتے تھے یہ پھر ان کا کمال تھا کہ کسی طرح کی مزاحمت یا رکاوٹ کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے ملک کے اور بیرونِ ملک کے لوگوں کی خدمت کسی نہ کسی طرح کر لیا کرتے تھے۔

ایک روز شوٹنگ کے دوران اس نے جگّے کو دیکھا۔

اسے دیکھ کر وہ اس کے قریب آگیا ——

بہت نام پالیا تم نے ——

جگّا اس کے قریب آکر ہنسا ——

اللہ کا کرم ہے میں کس لائق ہوں۔

وہ آہستہ سے بولی ——

میں نے بھی وہ دھندہ چھوڑ دیا ہے ——

جگّا بولا ——

اچھا اب کیا کرتے ہو ——

نوری نے پوچھا ——

جب طوائف بڑا نام پالیتی ہے تو وہ ایکٹریس بن جاتی ہے اور جب ہم جیسے لوگ دولت مند ہو جاتے ہیں تو وہ سمگلر ہوتے ہیں یا چرس افیون کا کاروبار کرتے ہیں ۔

جگا ہنس کر بولا ـــــــــ

کیا مطلب ـــــــــ

نوری نے پوچھا ـــــــــ

مطلب یہ کہ چرس اور افیون جیسی بیکار چیزوں سے کروڑوں روپے کماتے ہیں سونے چاندی اور ہیروں کا کاروبار کر رہا ہوں آج کل ـــــــــ

جگے یہ کام چھوڑ دو ـــــــــ یہ ملک کے ساتھ دشمنی ہے ۔

نوری دکھ سے بولی ۔

ہونہہ ـــــ اپنی جان مصیبت میں ڈال کر اس ملک میں سستی چیزیں لاتے ہیں ۔ ارے رانی ۔ اگر ہم لوگ نہ ہوتے تو ملک اتنی بلندی پر کبھی نہ جاتا جتنا اب ہے ۔ ہزاروں چھوٹے موٹے لوگ اسی کاروبار کی بدولت روزی کماتے ہیں ۔ اگر وہ سب بیکار ہو جائیں تو ملک کے لئے ایک مصیبت کھڑی کر دیں گے ۔

آج کل تم بھی تو اونچی اڑ رہی ہو ـــــ میں نے جب سنا ایمان سے بڑی خوشی ہوئی ـــــــــ

شادی کر لی تم نے یا نہیں ـــــــــ نوری نے پوچھا ـــــــ

کی تھی ـــــــ جگے کی آنکھوں میں دھواں سا پھیل گیا ـــــــــ

کیوں ـــــــــ ؟

تمہیں پتہ ہے ناجان دیتی تھی وہ مجھ پر ـــــ جس روز میں نے اس سے نکاح کیا ۔ اسی صبح وہ خوشی سے مر گئی ـــــــ جگا آہستہ سے بولا ـــــــ

اوہ ـــــ لوری کو وہ پتلی دبلی لڑکی یاد آگئی ـــــ

میڈم شارٹ ریڈی ہے ـــــ

اسسٹنٹ نے اسے آکر بتایا تو اس نے جگے کی طرف دیکھا۔

اور بولی ـــــ اچھا جگے خدا حافظ ـــــ

خدا حافظ! مگر یہ خیال نہ کرنا کبھی کہ دنیا میں تیرا کوئی نہیں۔ ایمان سے آواز دے کر کبھی دیکھنا ـــــ

جگا زور سے بولا ـــــ اور لوری مسکرا کر سیٹ کی طرف چل دی۔

وہ سوچ رہی تھی ـــــ

بعض اوقات جنھیں ہم ٹھکرا دیتے ہیں کتنے اچھے لوگ ہوتے ہیں وہ۔
اپنی تمام تر بدصورتیوں کے باوجود کتنے خوبصورت لگتے ہیں ایسے لوگ۔

جگا بھی ایسا ہی آدمی تھا ـــــ

جس کا دل خوبصورت تھا ـــــ سوچ میں کھوئی ہوئی وہ شارٹ دینے لگی۔

شام ڈھل گئی تھی۔ فضا کچھ گرد آلود سی تھی۔ سارا دن تیز و تند ہوا چلتی رہی تھی۔

ابھی ابھی وہ شوٹنگ سے آئی تھی اور سیدھی باتھ روم میں چلی گئی۔

دیر تک گلیسرین سوپ کے ملائم جھاگ کو پورے جسم پر ملتی رہی۔ نہانے سے کچھ تھکاوٹ سی دور ہوئی ــــــ

ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی جب وہ بالوں میں برش کر رہی تھی۔ تو اسے بہت پرانا ایک آئینہ یاد آگیا ــــــ دھول میں اٹا ہوا ــــــ جگہ جگہ سے چٹخا ہوا آئینہ جو اس نے رشیدہ سے چھپا کر کوٹھری میں چھپا رکھا تھا۔ اور جسے نکال کر وہ کبھی کبھی اپنا چہرہ دیکھتی ــــــ تب وہ رابعہ تھی ــــــ

معصوم اور دنیا سے بے خبر رابعہ ــــــ

مگر اب ــــــ ساتھ ہی اس کی نظر اپنے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑ گئی جس پر مختلف قسم کے کاسمٹکس سینٹ اور کلون کی خوبصورت بوتلوں کا ڈھیر لگا تھا۔

وہ آج بہت تھک گئی تھی۔ کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی۔

رضا حسن اپنے کمرے میں تھا ـــــ کھانا دونوں نے اکٹھے ہی کھایا تھا۔
وہ نوم کے لچکیلے پلنگ پر لیٹنے ہی والی تھی کہ باہر کچھ آوازوں کا شور بڑھ گیا۔
کون ہے ـــــ اس نے اندر آتی ہوئی ملازمہ سے پوچھا۔
ایک عورت ہے جی ـــــ ساتھ بچے بھی ہیں ـــــ کہتی ہے کہ آپ سے ملنا ہے ـــــ چوکیدار روک رہا ہے اور وہ عورت شور کر رہی ہے۔
ملازمہ بولی ـــــ
جاؤ دیکھو کیا چاہتی ہے اگر کچھ مانگتی ہے تو اسے دو اور یہ شور بند کر دیں سونا چاہتی ہوں۔
نوری نے کسی قدر بیزاری سے کہا ـــــ
ملازمہ چلی گئی ـــــ لیکن شور اور بڑھ گیا۔ وہ عورت اندر آنے پر بضد تھی ـــــ
ملازمہ نے پھر آ کر اطلاع دی کہ وہ عجیب قسم کی عورت ہے کہتی ہے کہ میں رابعہ کی ماں ہوں ـــــ
نوری ایک دم چونکی ـــــ چہرہ لال ہو گیا ـــــ اور پھر آہستہ سے بولی۔
اسے اندر لے آؤ ـــــ
کچھ ہی دیر میں رشیدہ بچوں کے ساتھ اندر آ گئی ـــــ
اسے دیکھ کر وہ اس سے لپٹ کر رونے لگی ـــــ اور زور زور سے بین کرنے لگی ـــــ اے رابعہ۔ کہاں سے لاؤں گی تمہارے ابا کو۔
وہ تیری صورت کو ترستے رخصت ہو گئے تھے۔ تیرا غم کھا گیا انہیں رابعہ۔
میں نے ساری دنیا چھان ماری تمہارے لئے۔
نوری نے آہستہ سے رشیدہ کو الگ کیا اور بولی ـــــ

اس طرف بیٹھو اماں ——

اے بیٹی اماں تجھ پر قربان ہو —— تجھے تو دیکھنے کو آنکھیں ترس گئی تھیں ——

رشیدہ پلو سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی ——

کیسی ہیں آپ ——

نوری سارا کرب چھپا گئی ——

کیا پوچھتی ہو بیٹی —— در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہوں تیرے ان چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کو لے کر کبھی اس دروازے اور کبھی اس دروازے تیرے ابا کی بے وقت موت نے مجھے کہیں کا نہ رکھا بیٹی۔ میں تیرے پاس اس لئے آئی ہوں کہ ایک بار تجھے سینے سے لگا کر اپنی خطاؤں کی معافی مانگ لوں۔ مجھے معاف کر دو رابعہ —— میں نے تیرے ساتھ بڑی زیادتیاں کی ہیں۔

رشیدہ رو کر بولی ——

نوری کی آنکھیں بھر آئیں۔ لیکن وہ آنسو پی گئی —— کہنے لگی۔

آپ ایسی باتیں نہ ہی کریں تو اچھا ہے —— میں ساری باتیں بھول چکی ہوں —— میں رابعہ نہیں ہوں —— نوری ہوں —— اس لئے میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں۔ اقبال احمد کی بیٹی رابعہ تو اسی دن مر گئی تھی جب آپ وہاں بیاہ کر آئی تھیں —— بہر حال —— یہ بچے یہ میرے باپ کی نشانیاں ہیں —— ان کے لئے آپ کو پچاس ہزار روپیہ دے رہی ہوں۔ روپیہ لیجئے اور جا کر ان کی پرورش کیجئے —— اور پھر پلٹ کر میری طرف کبھی نہ آئیے گا۔

رشیدہ خاموش بیٹھی آنسو بہاتی رہی ——

نوری نے جا کر سیف سے روپے نکالے اور رشیدہ کی جھولی میں ڈال کر بولی ——— خدا حافظ ———

نوکرانی کو بلا کر کہا ———

جا کر انہیں کھانا وغیرہ کھلاؤ ——— اور ڈرائیور سے کہنا انہیں گاڑی پر سوار کرا آئے۔

نوری نے بچوں کو دیکھا ——— جو سہمے سہمے کھڑے تھے ——— رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے ——— تو اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کو سینے سے لگایا ———

اور پھر دوسرے کمرے میں چلی آئی ———

رشیدہ آئی بھی اور چلی بھی گئی ——— مگر وہ آکر پھر سے سب کچھ یاد دلا گئی تھی ———

اس لئے آج وہ بڑی اداس تھی ——— شام کو کسی فنکشن پر جانا تھا۔ وہاں بھی نہ جا سکی ———

بس سارا دن منہ لپیٹے پڑی رہی ———

پتھر کے صنم کی آؤٹ ڈور شوٹنگ پر اسے یہاں آنا پڑا ـــــ
یہاں آکر اس کا بچپن ہمک آیا ـــــ
وہی اونچی نیچی گلیاں ـــــ وہی سب کچھ ـــــ چاروں طرف
پہاڑ ہی پہاڑ ـــــ وہی ڈل جھیل کی نیلگوں سطح جو پھیل پھیل کر پہاڑوں
کے دامن سے ٹکرا رہی تھی ـــــ
جب وہ ان راہوں سے گذر رہی تھی تو اسے لگا جیسے وہ کئی برس
پیچھے چلی گئی ہے اور نانا کی ڈانڈی میں بیٹھی ہوئی چلی جا رہی ہے۔
شوٹنگ سے فارغ ہو کر وہ فلم میں کام کرنے والی دوسری آرٹسٹ
کے ساتھ اس گلی میں چل دی جہاں اس کی نانی رہتی تھی ـــــ اسے سارا راستہ
یاد تھا۔ پہاڑی کے دامن میں چھوٹا سا محلہ ـــــ گلی کے سرے پہ آٹے
والوں کی دکان بھی اسی طرح موجود تھی ـــــ
نانی کے گھر میں اب کوئی اور لوگ رہتے تھے ـــــ یہ لوگ بھی جنگل سے

لکڑیاں کاٹ کر لاتے تھے۔

بھیگی آنکھوں سے نوری نے سب کچھ دیکھا۔

جب وہ یہاں سے لوٹ رہی تھی۔ تو پہاڑی ندیوں کا سنگیت فضا میں بکھرا ہوا تھا ——

کہاں گئی تھیں میڈم ——

پروڈیوسر اسے آتا دیکھ کر بولا ——

یہاں میرا گھر تھا —— میری نانی یہیں رہتی تھی —— اس پہاڑ کے دامن میں —— میرا بچپن یہیں گزرا ہے ——

وہ آہستہ سے بولی ——

اچھا —— پروڈیوسر کو یقین نہ آیا ——

چلیئے پھر تیار ہو جائیے ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے ——

پروڈیوسر بولا ——

یہاں کے ڈپٹی کمشنر نے دعوت پر بلایا ہے تا ——

نعیم صاحب کہاں ہیں ——

نوری نے پوچھا ——

نعیم صاحب پہاڑ پر آکر کم ہی نظر آئے ہیں۔ یہاں ان کے بہت سارے مداح ہیں۔ ہوں گے کہیں ——

پروڈیوسر ہنس کر بولا ——

نوری بھی ہنس دی ——

ہم یہاں سے کب فارغ ہوں گے کیونکہ پرسوں سے میری ڈیٹ اقبال صاحب کے پاس ہے۔

نوری نے پروڈیوسر سے پوچھا۔
میڈم کچھ ہمارا بھی خیال کر لیں ــــــ اس آؤٹ ڈور کے بعد اینڈ
لگا رہا ہوں پکچر کو ــــــ اقبال صاحب کو میں ٹیلیفون کر دوں گا بس ایک
دن کا کام رہ جائے گا ــــــ اور اگر یہ کام اب نہ ہوا تو سارے یونٹ کو
دوبارہ لانا پڑے گا اور پکچر اور ریجیکٹ ہو جائے گی۔
دیکھ لیجئے مجھے اقبال صاحب کے سیٹ پر ضرور پہنچنا ہے۔
موسم نے ساتھ دیا تو آپ ضرور پہنچ جائیں گی۔

پروڈیوسر بولا ــــــ
آپ پرسوں تک کام ختم کر لیں ــــــ نہ ہو سکا تو دوبارہ آ جائیں گے
مگر اقبال صاحب کے ساتھ میں وعدہ کر کے آئی ہوں۔
نوری اندر چلی گئی ــــــ
تو پروڈیوسر کہنے لگا ــــــ بس دو چار فلمیں کیا چلتی ہیں۔ نخرے ہی نہیں
سنبھلتے ــــــ اقبال صاحب کی فلم سونے کی ہے کیا اور کیا ہم مفت کام
کروا رہے ہیں۔
او جی شاہ صاحب۔ بس ایسے ہی ہوتا ہے ــــــ دیکھا کیسا جھوٹ
بول رہی تھی ــــــ کہ یہاں میری نانی رہتی تھی۔
کیا ہم الو ہیں ــــــ نانی تو یہاں رہتی ہوگی ساری دنیا جانتی ہے شریف
بننے کو بڑا شوق رہتا ہے۔ جب بنا دھوا آئی ہیرا منڈی سے۔ اور انٹرویو دیتے
ہوئے کہتی ہیں۔ جی مجھے تو ڈاکٹر بننا تھا ــــــ مجھے تو لیکچرار بننا تھا۔
پروڈیوسر کا پھر بولا ــــــ
پروڈیوسر نے قہقہہ لگایا ــــــ اور بولا ــــــ میاں پیسہ آ جاتا ہے نا۔

تو پھر یہی ہوتا ہے ـــــ ستارہ کو جانتے ہو نا ـــــ لکھنؤ کی گنگن بائی کی بھتیجی ہے۔ اب کہتی ہے جج کی بیٹی ہوں ـــــ اور وہ نسیم کروڑ ے تیل کا دیا جلا کر بیٹھتی تھی آج پورا خاندان سنور گیا تو کہتی ہے نواب کی بیٹی ہوں سنتے جا یا کرو میاں ـــــ

ہمارے ہیرو حضرات کیا کم ہیں ـــــ یہ سیف ہے نا ـــــ ایمان سے کپڑا لے کر گاڑیاں صاف کیا کرتا تھا ـــــ اور آج کئی گاڑیوں کا مالک ہے ـــــ ایمان سے پروڈیوسروں کو بڑا تنگ کر رکھا ہے اس نے۔ شوٹنگ پر آتا ہے بس تھوڑی دیر کے لئے۔ اس کے بعد کسی نہ کسی کام کا بہانہ کر کے نکل جاتا ہے اور پورا کاسٹ بیٹھ کر اس کی جان کو روتی رہتی ہے۔

میں نے تو اسی لئے نعیم کو ہیرو لیا۔ نعیم میں یہی بات اچھی ہے۔

نعیم کی بھی جانے دو شاہ صاحب۔ اس کو جوئے اور شراب سے فرصت نہیں۔ ادھر اسٹارٹ ریڈی ہوتا ہے۔ ادھر وہ رمی جیتنے کا انتظار کرتا ہے۔ تاش تو بس جیب میں لئے پھرتا ہے۔

سنا ہے پتے لگانے کا ماسٹر ہے۔

پروڈیوسر نے پوچھا ـــــ

کسی دن پھنس نہ جائیے گا۔ بڑا استاد ہے ـــــ

دیکھو بھئی میڈم تیار ہوئی یا نہیں ـــــ ڈی سی صاحب کے ہاں دعوت پر نہ گئے تو صبح جنگل میں شوٹنگ کی اجازت نہیں ملے گی ـــــ

پروڈیوسر کی بات سن کر اسسٹنٹ میڈم کے کمرے کی طرف گیا جو ان دونوں کی ساری گفتگو سن چکی تھی

اس نے دعوت پر جانے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگی میری طبیعت خراب ہے۔ اور دروازہ بند کر دیا۔

اسسٹنٹ جب باہر آیا تو بہت پریشان تھا اور جب یہ خبر اس نے پروڈیوسر کو سنائی تو وہ بھی نوری کو کوسنے لگا۔ نوری کی وجہ سے اس نے یہاں کئی کام بنائے تھے۔ مگر وہ تو کمرہ تیار کر کے سو رہی تھی۔

یادوں کی اپنی دنیا ہوتی ہے۔ اپنی ایک الگ بستی۔ لہراتی بل کھاتی پگڈنڈیوں اور شور مچاتی ہوئی کوہستانی ندیوں کی طرح پیچیدہ یادیں ——

ان یادوں کا ایک اپنا وجود ہوتا ہے۔ ان کے وجود اور ان کی حقیقت سے انکار ممکن نہیں۔ یادوں کا سلسلہ کبھی اتنا طول کھینچتا ہے کہ مختلف یادیں ایک زنجیر کی طرح ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک مستقل صورت اختیار کر لیتی ہیں اور زندگی کا تصور نظروں کے سامنے آجاتا ہے مسکراتی اور قہقہے لگاتی ہوئی۔ روتی اور سسکتی ہوئی زندگی۔

ان یادوں سے پیچھا بھی تو نہیں چھڑایا جا سکتا۔ ان کی حقیقت تو اس آئینے کی طرح ہے جس میں اپنی شکل دیکھنے کے بعد نہ جانے کیسے کیسے خیال ذہن میں سر ابھارتے ہیں۔ ضدی بچوں کی طرح ان کی ہچکیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ یادیں ہوں یا آئینے —— دونوں میں سے کسی کی حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بات وہ ہمیشہ دہراتی ـــــ شاید زندگی کے کسی موڑ پر یہی الفاظ اسے پھر دہرانے پڑیں۔

حالانکہ ان دنوں وہ خوش تھی ـــ مطمئن تھی ـــ اس کی زندگی میں وہ رچ بس گئی تھی ـــ اپنے غم ـــ اپنے دکھ اس نے آرٹ میں سمو دیئے تھے ـــ کسی المیہ سین کی اداکاری کرتے ہوئے اس نے کئی بار آنسو بہائے تھے۔ رومانی سین میں الجھ کر اس نے جذبات کا اظہار بھی کیا تھا ـــ سماج کے ٹھیکیداروں کے خلاف لمبے لمبے ڈائیلاگ بولنے والے سین کرتے ہوئے اس کے دل کا غبار بھی نکلا تھا ـــ

مگر یہ یادوں کا سلسلہ جب سر اٹھاتا تو وہ بے چین ہو جاتی۔

آج کل اس پر جان دینے والے بہت سے ـــ بہت سے لوگ اس کی محبت کے خواہشمند تھے ـــ

کوئی شادی کا پیغام دینے کو بے قرار تھا اور کسی کی نیند اس وجہ سے اڑی ہوئی تھی ـــ کوئی خودکشی کرنے کی دھمکی دیتا تھا ـــ

مگر یہ عجیب اتفاق ہے ـــ

جو کچھ اس کے دل میں میلے کپڑے پہنے ہوئے الجھے الجھے بالوں والے پریشان پریشان انور کے لئے تھا۔ ان چمکتے ہوئے شاندار لوگوں کے لئے نہیں تھا۔

کئی خوش پوش اور امیر لوگ اس سے تعلقات بڑھانے کی کوشش میں تھے۔ لیکن اس نے کبھی کسی کو لفٹ نہ دی۔

ایک شان بے اعتنائی سے روزانہ انہیں لوگوں کے ساتھ وہ رمی کھیلتی سگریٹ پیتی ہنستی کھیلتی اور گھر چلی آتی۔

آج کل سگریٹ اس کی کمزوری بنتے جا رہے تھے۔
کوئی کہتا ـــــ دولت کی چمک نے مغرور کر دیا ہے۔
کوئی کہتا ـــــ پوز کرتی ہے۔
کسی کا خیال تھا کہ خود کو بہت حسین سمجھتی ہے یہ سب باتیں وہ جانتی تھی سنتی اور مسکراتی اور فضا میں سگریٹ کے دھوئیں سے مرغولے بناتی رہتی۔ ایک اسٹوڈیو کا مالک آج کل اس کا دیوانہ تھا۔
اسٹوڈیو مالک درانی کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ چڑھتے سورج کا پجاری ہے ـــــ جو ہیروئن یا ہیروئین ٹاپ پہ ہو۔ وہ اس کے آگے پیچھے پھرتا ہے۔ اور اسی لئے وہ آج کل اس کا دیوانہ تھا۔
نوری کی سگریٹ نوشی کو بعض اخباروں نے اچھالا۔ فلم لائن میں بھی کچھ لوگ تنقید کرتے۔ مگر وہ کسی کی پرواہ نہ کرتی۔
ایک روز درانی صاحب نے کہہ ہی دیا ـــــ
نوری تم سگریٹ کیوں پیتی ہو ـــــ
آپ شراب کیوں پیتے ہیں ـــــ
نوری نے سوال کر دیا ـــــ
بس عادت ہے۔
درانی مسکرا کر بولا ـــــ
میں بھی عادت سے مجبور ہوں۔
مگر نوری ـــــ
درانی آہستہ سے بولا ـــــ
کیوں ـــــ

مجھے اچھا نہیں لگتا ــــــ تمہاری انگلیوں میں سگریٹ اچھا نہیں لگتا۔

آپ کو مجھ سے کیا ــــــ اچھی لگوں یا بری۔ وہ کہتی ہوئی پروجکشن ہال کی طرف چلی گئی۔ جہاں اس کی فلم کے گانے چل رہے تھے ــــــ

اس کے جانے کے بعد درانی کا منیجر بولا ــــــ

بڑی منہ پھٹ ہو گئی ہے ــــــ

درانی صاحب نے خواہ مخواہ منہ لگایا ہے ــــــ

ایک ڈسٹی بیوٹر بولا ــــــ

وہ دونوں نوری پر تنقید کر رہے تھے لیکن درانی چپ بیٹھے تھے۔ جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ شاید خود کو ملامت کر رہے تھے کہ انہوں نے ایک ناگن کو چھیڑا ہی کیوں ــــــ

کیا ہوا صاحب ــــــ

نعیم کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔

درانی صاحب نے نوری کو زیادہ سگریٹ پینے سے منع کیا تو چڑ گئی اور درانی صاحب کو صاف کہہ گئی ہے کہ آپ کو کیا میں سگریٹ زیادہ پیوں یا کم ــــــ

ڈسٹی بیوٹر بولا ــــــ

تو کیا ہوا ــــــ غلطی درانی صاحب کی ہے کسی کی ذاتی زندگی میں جھانکنے کا ان کو کیا حق ہے۔ ہر انسان کے ذاتی مسائل ہوتے ہیں۔ جنہیں ہر انسان خود ہی حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسا اجتماعیت کوئی بندھا ٹکا اور واضح اصول نہیں رہا۔

نعیم وہیں بیٹھ گیا ـــــــ

ہاں غلطی میری تھی ـــــــ

دُرانی مان گیا ـــــــ

اچھا چھوڑیئے ان باتوں کو آؤ ایک بازی رمی کی ہو جائے۔

پھر ـــــــ ؟

نعیم بولا ـــــــ

درانی اور ڈسٹی بیوٹر بھی شامل ہو گئے کھیل شروع ہوا۔ لیکن درانی برابر ہارتا رہا۔ اس کے ذہن کی یکسوئی ختم ہو گئی تھی ـــــــ

گانے دیکھا کہ نوری بھی وہیں آ گئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح نارمل تھی۔ نعیم ذرا سے تکلف سا تھا ـــــــ

کہنے لگا ـــــــ سنا ہے تم پر کوئی تنقید کرے تو چڑ جاتی ہو۔

کوئی مجھ پر تنقید کرے کیوں ـــــــ نوری ہنس کر بولی۔

کسی کے پیٹ میں درد ہو اگر ـــــــ نعیم قہقہہ لگا کر بولا۔

اس کا علاج واقعی میرے پاس نہیں ـــــــ نوری بولی ـــــــ

پھر کہنے لگی۔ آؤ چلتے ہو ـــــــ

کہاں ـــــــ

ذرا گھر چلیں گے ـــــــ

چلو ـــــــ نعیم ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

ڈسٹی بیوٹر نے درانی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

چلو بھی ـــــــ

نوری نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ـــــــ

نعیم اٹھ کر کھڑا ہو گیا کہنے لگا چلو۔
مگر ذرا ٹھہرو تو ——

نوری ٹیلیفون کی طرف بڑھی۔
کیوں ——

تمہاری بیوی کو بھی لے لیتے ہیں وہ بے چاری گھر میں بور ہوتی ہو گی۔
نوری نمبر ڈائل کرتے ہوئے بولی ——

ہاں ہاں یہ ٹھیک ہے۔ میں سوچ ہی رہا تھا۔ اس سے کہو کہ تیار ہو جائے ——

نوری فون کرنے لگی ——
اور درانی ڈسٹی بیوٹر کی طرف شرمندگی سے دیکھنے لگا۔

خان صاحب نے کہہ دیا کہ رضا حسن اب فنکار بن چکا ہے۔ اسی روز نوری نے رضا کو یہ خوش خبری سنائی کہ وہ رضا کی خاطر اپنی فلم شروع کرے گی۔ اور اس کی آواز لوگوں تک پہنچانے میں نمایاں کردار ادا کرے گی۔

رضا حسن بہت خوش تھا ـــــ خوشی سے اس کے آنسو نکل آئے۔

اسی روز نوری نے رضا کو سامنے بٹھا کر بڑی باتیں کیں فلم لائن کی سیاست سمجھائی۔ اسے اب بھی یاد ہے کہ اس روز اس نے رضا سے کہا تھا۔

رضا اپنے آپ کو ہمیشہ اتنا اونچا سمجھنا جہاں تم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ ہی سمجھنا کہ میرے جیسا کوئی نہیں۔ اور میں سب سے اچھا ہوں ـــــ جو لوگ اپنے آپ کو کچھ نہیں سمجھتے رضا۔ وہ اس ملک میں مر جاتے ہیں۔ رضا خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا پھر کہنے لگا میں نے کبھی ایسا خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔ کہ میں ایک روز اپنی آواز یوں دنیا میں پھیلا دوں گا

تم بہت اچھے ہو رضا ـــ انشاءاللہ بہت جلد تم اتنی اونچی جگہ پہنچ جاؤ گے کہ

سب تمہیں چھوٹے نظر آئیں گے ـــــــ

نوری اس روز بڑی خوش تھی ـــ جانتی تھی کہ فلم لائن میں چانس لینے کے لئے کتنی محنت کرنی پڑتی ہے ـــــــ

اور اسی لئے اس نے اپنی فلم بنانے کا پروگرام بنایا تھا اس کا خیال تھا کہ اس فلم میں سارے گانے رضا حسن گائے ہوں گے اور رضا حسن کی خوب پبلسٹی کی جائے گی ـ اس طرح وہ کسی سے یہ نہیں کہہ سکتی کہ رضا بہت اچھا گاتا ہے ـ اسے فلم میں چانس دو ـ وہ خود اس وقت ایسے مقام پر تھی کہ جس سے چاہتی بات منوا لیتی ـــــــ مگر وہ کہتی کسنا نہیں چاہتی تھی اور اس لئے اس نے اپنی فلم بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا ـــــــ

وہ رضا کا مقام بنانا چاہتی تھی ـــــــ اس نے میوزک ڈائریکٹر کو بلا لیا ـ سٹوری رائٹر نے اسے دو ہی دن میں فلم کا اسکرپٹ تیار کر دیا ـ گانے لکھوا کر اس نے میوزک ڈائریکٹر کے حوالے کئے اور وہ دھنیں بنانے لگا ـ

اگلے دن اس کی فلم کی مہورت تھی ـ اور اس نے سارے اخباروں میں رضا کی کھل کر پبلسٹی کی تھی اور وہی ہوا ـــــــ

اگلے روز مہورت میں رضا نے جب پہلا گانا گایا تو پورا اسٹوڈیو پروجیکشن ہال میں اُمڈ آیا ـ

سب نے ہی رضا کی آواز کی تعریف کی ـــــــ

رضا حسن تو خیر خوش تھا ہی نوری کی خوشی تو سنبھالے نہ سنبھل رہی تھی ـ وہ سب سے مبارک باد وصول کرتے ہوئے یوں چہک رہی تھی جیسے یہ سب لوگ اس کی تعریف کر رہے ہوں

اس روز شام کو رضا نے اس کے پاؤں پکڑ لئے اور کہنے لگا ـــــــ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ آپ سے کیا کہوں ـ آپ نے میرے ساتھ وہ کچھ کیا ہے ـ جو کوئی

نہیں کر سکتا بس ساری عمر آپ کے پاؤں کی خاک کو سجدے کروں گا۔

ارے ارے کیا کہتے ہو ـــــ نوری نے پیار سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا اور بولی ـــــ بس اللہ کا کرم ہے رضا ـــــ میں نے کچھ نہیں کیا ـــــ تمہاری آواز اتنی اچھی ہے کہ اسے لوگوں تک نہ پہنچانا ایک گناہ تھا میں نے تو اپنے آپ کو اس گناہ سے بچایا ہے پگلے۔ رضا کے آنسو نکل آئے۔

اور وہ اس کے کندھے تھپتھپاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی ـــــ

وہ دن رضا کے لئے سنہرا دن تھا۔

دوسرے روز ہی پروڈیوسر صاحبان اپنی فلموں میں گانے گوانے کے لئے اسے سائن کرنے آ گئے۔ مگر وہ ابھی تک اس بات پر راضی نہ ہوئی اس کا خیال تھا کہ فلم ریلیز ہونے پر رضا حسن کی مارکیٹ زیادہ بن جائے گی۔

فلم ریلیز ہوئی تو رضا کا نام گلی گلی پھیل گیا۔ اس کی تعریف سن کر نوری یوں خوش ہوتی جیسے یہ رضا کی تعریف نہیں اس کی اپنی تعریف ہے۔

رضا کو اس نے دوسری فلموں میں بھی گانے کی اجازت دے دی تھی۔ اور اب رضا بھی مصروف ہو گیا تھا۔ اس کی اپنی گاڑی تھی ـــــ اپنا بینک بیلنس۔ مگر وہ نوری کی بے پناہ عزت کرتا ـــــ

نوری کی فلمیں ہر روز ہٹ ہوتیں اس کے پاس آج کل بہت پیسہ تھا ـــــ

مگر وہ پیسہ کہاں جاتا ـــــ

یتیم خانوں میں ـــــ ہسپتالوں۔ خیراتی اداروں میں۔ اسکولوں میں ـــــ

اسے بڑا سکون ملتا ـــــ جب وہ بڑی بڑی رقمیں رفاعی کاموں میں دیا کرتی ـــــ مگر اس نے ان کاموں کی کبھی پبلسٹی نہ کی۔ وہ ہمیشہ رابعہ اقبال کے نام سے یہ رقمیں بھجواتی۔

لہٰذا کسی کو یہ علم بھی نہ ہوتا اور ملک کے رفاہی اداروں کی وہ چپکے چپکے امداد کر دیا کرتی تھی۔

اسی طرح زندگی رنگوں میں گھری بیت رہی تھی۔ مگر دل کی ویرانیاں آباد کرنے والا کبھی نہ آیا ——

جانے کہاں تھا ——

اس نے سڑکوں پر۔ ہنگاموں میں ہوٹلوں میں سینما گھروں میں ہر جگہ اسے تلاش کیا مگر وہ نہ ملنا تھا نہ ملا ——

کبھی کبھی دل گھبراتا تو کار لے کر وہ گنجان آباد بستیوں میں پھرتی رہتی۔ میلے کچیلے ننگے دھڑنگے بچوں کو پیار کرتی۔ بستی میں پہنچ کر اس ہر جگہ انور کا پتہ پوچھا —— پر وہ کہیں نہ ملا۔

ایک روز اسٹوڈیو میں کوئی تقریب تھی —— حکومت کا کوئی بڑا افسر اداکاروں کو ایوارڈ دینے آرہا تھا۔ اور فلمی صنعت کے مسائل دور کرنے کے لئے شہر کے بڑے نامی گرامی لوگ تقریریں کرنے والے تھے۔

وہ تیار ہو کر اسٹوڈیو پہنچی۔

دروازے پر ہی اس نے دیکھا۔ ایک کار رکی ہے اور اس میں سے فخر نکلا ہے۔ وہ بہت ہی معتبر آدمی لگ رہا تھا۔ بالکل بدلا بدلا تھا۔ نوری اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی۔

وہ بھی قریب آگیا ——

کیسی ہو بھئی ——

فخر خوش دلی سے بولا ——

اچھی ہوں —— بلکہ بہت اچھی۔

بہت اونچی اڑنے لگی ہو

فخر ہنس کر بولا ـــــــ

میری اُڑان تم سے اونچی نہیں فخر ـــــــ

نوری ہنس دی ـــــــ

میں نے وہ کام چھوڑ دیئے ہیں۔ اب تو نمازیں پڑھتا ہوں حج کر آیا ہوں اور رفاہی کام کرتا ہوں حکومت نے اسمبلی کا ممبر بھی بنا لیا ہے۔

فخر بولا

اچھا ـــــــ! نوری طنزیہ بولی۔

معاشرے میں بہت اچھا مقام ہے میرا۔ لوگ میری بے پناہ عزت کرتے ہیں۔ حیرت ہے تم ابھی تک نہیں جانتیں۔ خان بہادر فخر زماں کا نام تو آج کل اخباروں کی زینت ہے۔

فخر ہنس کر بولا ـــــــ

مجھ سے زیادہ تمہیں کون جانتا ہے۔

نوری مسکرا کر بولی ـــــــ

وہ جانتا اور تھا۔ اب تم کسی کے سامنے میرا نام لے کر دیکھو۔ کتنی عزت ہے میری ـــــــ بہت ہی قدر کرتے ہیں لوگ ـــــــ

فخر خوشی سے بولا ـــــــ

قدر تو خیر میں بھی تمہاری بہت کرتی ہوں تم سیلف میڈ آدمی ہو۔ تمہیں یہ سب کچھ وراثت میں نہیں ملا۔ تم نے خود بنایا ہے۔ اپنی محنت سے۔ اب یہ اور بات ہے کہ محنت کیسی تھی۔

ہاں ہاں ـــــــ فخر خجل سا ہو گیا ـــــــ کہنے لگا۔

مذہبی قسم کا بن گیا ہوں۔

تو آج کل نماز ہی ہتھیار ہے تمہارا ____

نوری ہنس کر بولی ____

کیا مطلب ____

مطلب یہی کہ زمانے کے رُخ ہوتے ہیں۔ کبھی پارسا بننے سے مطلب نکلتا ہے اور کبھی ہم لوگوں کے طفیل۔

نہیں نہیں ایسی بات نہیں۔

فخر گھبرا سا گیا ____

یہاں کیسے آئے ہو۔

نوری نے پوچھا۔

آج یہاں تقریب ہے نا ____ میں بھی تقریر کر رہا ہوں۔ بڑی دھانسو تقریر لکھی ہے میں نے۔ میں چاہتا ہوں فلم والوں کے مسائل حکومت تک پہنچیں۔ اور تم سب کا بھی معاشرے میں کوئی باعزت مقام ہو۔ دیکھو نا فلم والے تو معاشرے سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔ تم لوگ معاشرے کا ثقافتی ورثہ ہو ____ تم لوگ غریب عوام کو سستی تفریح مہیا کرتے ہو۔ اس لئے تمہیں عزت ملنی چاہیئے۔

ٹھیک ٹھیک ____!

نوری فخر کی باتوں کو غور سے سن رہی تھی۔ کہنے لگی۔

تم یہ تقریر کرو گے آج ____!

ہاں ____

تو پھر میں وہیں لوگوں میں تم سے پوچھوں گی ____

نوری کی بات سن کر فخر چونک گیا کہنے لگا۔

کیا ـــــ کیا پوچھو گی ـــــ

یہی پوچھوں گی کہ ہم لوگوں کو جب شریف گھرانوں سے یہاں لایا جاتا ہے۔ ہمارا کاروبار کیا جاتا ہے اور ہمیں بس صرف کوڑے اور گندگی کا ڈھیر سمجھا جاتا ہے۔ اس کے ذمہ دار کون لوگ ہیں۔ میں دہری بھری محلس میں تمہیں بتاؤں گی فخر کہ تم کون ہو ــــ کیا ہو ــــ میں ایسے لوگوں کو سخت سزائیں دلوانے کی اپیل کروں گی۔ جنہوں نے خوبصورت لڑکیوں کو خرید کر انہیں کھلونا بنا رکھا ہے اور بہت سے لوگوں کا حق چھین کر ایسے خوبصورت ہتھیاروں کے ذریعے اپنی تجوریاں بھرتے ہیں۔ میں اس سزا کی ابتداء تم سے ہی کرواؤں گی۔

جانتا ہوں کہ تم مذاق کر رہی ہو ــــ

فخر کی گھگھی بندھ گئی۔

چلو مذاق ہی سہی ــــ آؤ پھر تقریر کریں ــــ

یہ مذاق میں ضرور کروں گی۔ سمجھے ــــ تم جیسے لوگوں کو بے نقاب کرنا میری زندگی کا مقصد ہے۔ فخر تم اب کسی اور کو بیوقوف نہیں بنا سکتے۔ اب کوئی رابعہ نوری نہیں بنے گی۔

فخر کو یقین آچلا تھا کہ نوری جو کچھ کہہ رہی ہے ضرور کرے گی۔

گھبرا کر وہ پلٹا اور تقریر ہاتھوں لئے کار میں بیٹھا اور واپس چلا گیا۔

نوری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ فاتحانہ سی۔ پر سکون سی۔

اس کے کمرے میں ہلکا ہلکا اندھیرا تھا۔ اور اس اندھیرے میں وہ ہتھیلی پر رکھے اجلے اجلے موتنے کے پھول کی مہک میں کھوئی ہوئی تھی۔

اس نے گلابی ریشم کا لباس پہن رکھا تھا اور کھلے بالوں میں اس کی مالن موتنے کا گجرہ لگا گئی تھی۔

کمرہ کھلا تھا ــــــ چار بجے تھے لیکن کمرے کی کھڑکیاں بند تھیں۔ اس لئے ہلکا ہلکا سا اندھیرا تیر رہا تھا۔

اس نے دیکھا رضا آ رہا ہے ــــــ

رضا آج کل بہت خاموش رہتا تھا۔ اکثر رات گئے گھر آتا۔ اور اب تو وہ اس سے بات کئے بغیر ہی سو جاتا۔

باہر کی دنیا اسے بہت پسند آگئی تھی۔ اسے بہت سے دوست مل گئے تھے۔ خوش قسمتی چونکہ خوبصورت تھا۔ اس لئے فلم انڈسٹری کی لڑکیاں بھی اسے اپنی تربیت بخشنے لگی تھیں۔

نوری سب کچھ جانتے ہوئے انجان تھی اور وہ اسے ٹوکتی بھی کیوں۔ وہ اپنے دل کا آپ مالک تھا۔ اس نے جب تک اس پر نظر رکھی جب وہ کچھ نہیں تھا۔ اور اب وہ اسے کچھ کہنا بھی نہیں چاہتی تھی۔ البتہ وہ ہمیشہ اسے اچھی جگہ۔ اچھے لوگوں میں دیکھنا چاہتی تھی۔ غلط قسم کے لوگ اس کے قریب آتے جا رہے تھے تو اسے دکھ ہوتا۔

رضا اندر آگیا ____

آج آپ گھر پر ہیں۔ وہ بتی روشن کرتے ہوئے بولا ____

ہاں آج شوٹنگ کینسل کر دی ہے اور ایک ایڈیٹر کو وقت دے رکھا ہے ابھی آنے والا ہوگا۔ انٹرویو کرنا چاہتا ہے ____

نوری خوش دلی سے بولی۔

رضا اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

تم آج فری ہو ____

نوری نے پوچھا۔

ابھی گانا ٹیک کیا ہے آئیڈیل پکچر کا ____ شام کو بھی ایک گانا ہے۔

تھک گئے ہو ____

نوری ہنسی ____

جی ____

تو اتنا کام مت کیا کرنا۔ صحت کا خیال بھی رکھنا ضروری ہے۔

رضا صرف مسکرا دیا ____

سنا ہے شادی کر رہے ہو ____

نوری ہنس کر بولی ____

رضا نے چونک کر دیکھا۔ پھر بولا ——

آپ کو کس نے کہا ——

تم کچھ نہیں کہتے تو کیا مجھے پتہ نہیں چلتا ——

نوری ہنس کر بولی ——

ابھی کچھ پتہ نہیں ۔

رضا سر جھکائے الجھا الجھا سا تھا ——

زندگی کا ساتھی ہر انسان کے لئے ضروری ہے ۔ مگر رضا کوشش کرتا کہ ساتھی کا انتخاب کرتے وقت اس میں صرف وفا ڈھونڈتا ۔

نوری کچھ اداس سی ہو گئی ۔

اس کی کسوٹی ہے کوئی —— ؟

رضا نے پوچھا

دل کی آنکھوں سے دیکھو گے تو وفا نظر آجائے گی ۔

مجھے آپ سے ایک بات کرنا ہے کئی دن سے سوچ رہا ہوں ۔ کہیں آپ کو میری بات بری نہ لگے اس لئے ہمت نہیں پا رہا ۔

رضا بولا ——

ایسی کیا بات ہے ۔

نوری نے مسکرا کر اسے بات کرنے کا حوصلہ دلایا ۔

اگر میری بات بری لگے تو معاف کر دیجئے گا ۔ میں اصل میں ——

میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں ۔

نوری نے بڑے تحمل سے سنا اور بولی ۔

یہاں پر تمہیں کوئی دکھ پہنچا ہے یا کوئی اور وجہ ہے ۔

یہاں پر مجھے کون سا دکھ پہنچے گا ـــــ یہاں پر مجھے جو کچھ ملا ہے۔ وہی میری زندگی ہے۔ مگر ـــــ مگر میری ایک تمنا ہے ـــــ کہ میرا اپنا کوئی گھر ہو ـــــ میرا اپنا گھر۔ رضا کی تڑپ اس کی زبان پر آ گئی۔

تم نے ٹھیک سوچا رضا ـــــ اپنا گھر ـــــ اپنے گھر کی تڑپ میں جانتی ہوں ـــــ مجھے پتہ ہے۔ تمہیں یہاں دنیا کی راحتیں ملیں، لیکن سکون اپنے گھر میں مل سکتا ہے۔ بے گھر لوگوں کی جلن۔ تکلیف، اضطرار اور اضطراب کی تڑپ سے میں واقف ہوں۔ تم جس وقت چاہو اپنا گھر بنا سکتے ہو۔ بھلا مجھ سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اپنا گھر بناؤ رضا ـــــ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔

نوری کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

اور رضا تڑپ گیا ـــــ

کیسی عورت ہے یہ ـــــ کتنی عظیم ـــــ کوئی بات اسے بری نہیں لگتی۔ کتنا اچھا سوچتی ہو سب کے لئے۔ ہر بات کو اچھے پہلو میں لینا اس کی عظمت ہے۔

اس نے عقیدت سے نوری کی طرف دیکھا اور بولا۔

میں آپ کی عظمت کو سلام کرتا ہوں میڈم ـــــ

پگلا ـــــ

نوری مسکرائی کہنے لگی تمہارے گھر میں تمہاری پیاری سی بیوی ہوگی ننھے منے پیارے پیارے بچے ـــــ یہ ایسا گھر دیکھ کر خوشی ہوگی رضا۔

رضا نے اسے عقیدت سے دیکھا اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔

اور وہ سوچنے لگی۔ کاش یہ پیارا سا لڑکا نازی جیسی چالاک عورت کے

چنگل سے نکل آئے۔ نازی اس کی اچھی بیوی نہیں بن سکے گی۔ اسے علم تھا کہ آج کل رضا کی شامیں نازی کے ہاں بسر ہوتی ہیں۔ جو انڈسٹری کی نئی آرٹسٹ تھی۔ خوبصورت اور طرح دار۔

وہ اسی سوچ میں تھی کہ ملازمہ نے کارڈ لا کر دیا۔ فلمی رسالے کا ایڈیٹر ڈرائنگ روم میں انتظار کر رہا تھا۔

وہ ابھی اوپر سے ہی ڈرائنگ روم کا پردہ اٹھایا —— تو اس کے قدم جہاں تھے وہیں رک گئے۔ دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ نگاہیں جم کر رہ گئیں ——

سامنے ایڈیٹر کے ساتھ انور بیٹھا تھا۔

دل کے دروازوں کے پٹ ایک دوسرے سے دھم سے ٹکرا گئے۔

ایک لمحے کے لئے وہ حسین اور پرفریب راتیں اس کی آنکھوں میں پھیل گئیں۔ جن راتوں میں اس کی کنواری آرزوؤں نے اسے محبوب بنایا تھا۔ خوابوں کا ریشمی آنچل اس کے تصور پر پھیلتا گیا۔ انوکھی سی کسک کا وجدان اپنی باہوں میں اسے کھینچتا گیا۔ بہکے بہکے اور بہکے بہکے جذبے مچل اٹھے۔ آئیے نا

ایڈیٹر اور انور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

میں سوچ رہی تھی کہ آپ کو شاید میرا انتظار زیادہ کرنا پڑا ہے۔

اس نے اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کی اور قدم بڑھایا۔ اس کی چال میں سنجیدگی اور انداز میں خود رفتگی تھی۔

پردہ رہ گیا کہ اسے ٹیلی فون پر بات کرنا پڑ گئی اور ساتھ ہی پروڈیوسر

نلم سائن کرنے کے لئے آکر بیٹھ گیا۔ ٹیلیفون رکھ کر وہ ایڈیٹر کی طرف متوجہ ہوئی تو ایڈیٹر بولا۔

یہ میرے رپورٹر ہیں مسٹر انور۔

جی — بڑی نوازش کی انہوں نے۔

نوری نے کہا ——

اس کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا اور بے قرار نظریں انور پر جمی تھیں ——

بڑا اچھا لکھتے ہیں انور صاحب ——

ایڈیٹر بولا ——

جی ہیں جانتی ہوں ——

نوری بولی۔

اچھا۔ ایڈیٹر حیرت سے بولا۔

ان کی کہانیاں پڑھی ہیں میں نے۔

اچھا اچھا۔ پھر تو انور بڑے خوش نصیب ہیں۔

ایڈیٹر بولا ——

آپ کہانیاں ادھوری چھوڑ دینے کے قائل ہیں شاید۔

نوری نے انور سے پوچھا۔

جی —— بعض کہانیاں ادھوری رہنے کے لئے ہی جنم لیتی ہیں۔

انور آہستہ سے بولا۔

جب کوئی کہانی ادھوری رہ جائے تو آپ کو پتہ ہے پڑھنے والا کتنا تڑپتا ہے۔ اب تو کوئی ایسی کہانی لکھئیے انور صاحب جس کا کوئی انجام ہو۔ بخدا ادھورے پن کا کرب اب برداشت نہیں ہوتا۔

نوری بظاہر مسکرا رہی تھی۔
واہ۔ واہ میڈم کیا بات کی ہے آپ نے۔
پروڈیوسر بولا۔
انور کی جھکی نگاہیں اٹھیں اور اس کی آنکھوں سے الجھ گئیں۔ ان نگاہوں میں تڑپ تھی۔ ذرہ دکھا جلن تھی۔ بظاہر نوری کی نظریں خاموش تھیں۔ لیکن جیسے کہہ رہی تھیں۔
میرے مقدر کی تاریک راتوں میں میری زندگی کی حسین دیرینہ بہار شام ڈوب چکی ہے۔ میرے گرد کانٹے ہیں۔
ماشاءاللہ آج کل تو انڈسٹری میڈم کے دم سے قائم ہے۔
ایڈیٹر بولا
پروڈیوسر نے ایک دم اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔
انور صاحب آپ میڈم سے سوال کیجئے۔
ان کا وقت بہت قیمتی ہے۔
ایڈیٹر بولا ــــــــ
میں انٹرویو لکھ لوں گا میرا مطلب ہے ان کے بارے میں تو اخبارات میں بہت کچھ چھپتا رہتا ہے تو کوئی مشکل نہیں۔
یہ بھی ٹھیک ہے۔
ایڈیٹر بولا۔
مگر مجھے اختلاف ہے صاحب۔
نوری ہنسی اور کہنے لگی۔
آپ کو اپنے اخبار کی انفرادیت قائم رکھنی چاہیئے۔

کوئی سوال تو پوچھئے انور صاحب۔ جو انوکھا ہو۔
جو سچ ہے آج تک کسی نے نہ پوچھا۔
ایڈیٹر اور پروڈیوسر نے قہقہہ لگایا ـــــ سبحان اللہ ـــــ!
واقعی انور صاحب کوئی سوال تو پوچھ لیجئے
انور گھبرا گیا کہنے لگا۔
میں انوکھا سوال پوچھنے کے لئے آپ سے پھر وقت لے لوں گا۔
اب اجازت لیں۔
ایڈیٹر بولا ـــــ
ٹھہریئے ایڈیٹر صاحب۔میں تو انور صاحب کی تلاش میں تھی۔ یہ
آپ کا احسان ہے کہ آپ کے طفیل میں ان کی زیارت ہو گئی۔
ایڈیٹر نے حیرت سے انور کی طرف دیکھا۔جو پریشان سا نوری کی
طرف دیکھ رہا تھا۔
میں ایک فلم بنا رہی ہوں۔مجھے انور صاحب کی ایک کہانی بہت
پسند ہے۔میں اس پر فلم بنانا چاہتی ہوں۔آپ کا کیا خیال ہے۔
بہت اچھا خیال ہے ـــــ ایڈیٹر خوش ہو کر بولا ـــــ
تو وہ کہانی آپ ان سے مجھے لے دیجئے۔
بالکل ـــــ شوق سے ـــــ کونسی کہانی ہے۔
ایڈیٹر نے پوچھا۔
ہنستے زخم ـــــ
نوری نے فوراً ہی ایک نام گھڑ لیا پھر کہنے لگی۔میں چاہتی ہوں بات ابھی
طے ہو جائے کیونکہ یہ رائٹر لوگ بس اپنی مرضی کے ہوتے ہیں۔

کیا پتہ ایسے کھو جائیں کہ پھر ملیں ہی نا۔
آپ شوق سے بنائیے جی۔ انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ کیا ان کی کم خوش نصیبی ہے کہ آپ ان کی کہانی پر فلم بنا رہی ہیں۔ میں تو کہتا ہوں۔ گولڈن چانس ہے یہ ان کے لئے ـــــ ایسے موقع بار بار نہیں آتے۔
ایڈیٹر بولا۔
نوری اٹھ کر اندر گئی۔ جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پچیس ہزار روپے کا چیک تھا۔
کہنے لگی۔ یہ پیش کرتی ہوں۔ اور کہانی مجھے صبح بھجوا دیجئے گا۔
ایڈیٹر اور پروڈیوسر کی آنکھیں پھٹی پھٹی کی رہ گئیں کیونکہ وہ لوگ کہانی کار کو روپیہ دینا بے وقوفی خیال کرتے ہیں۔
پروڈیوسر کو میڈم کی عقل پر کوفت ہوئی کہ کہانی تو پچاس روپے میں خریدی جا سکتی ہے۔ بہت ہوا تو ادھر ادھر کے ٹکڑے اکٹھے کر لئے یا پھر کسی ہندوستانی فلم کی ٹیپ منگوا لی۔
یہ میڈم کو کیا ہو گیا ہے۔
ایڈیٹر نے میڈم کے ہاتھ سے چیک لے کر انور کے ہاتھ میں دیا اور بولا۔ مبارک ہو انور۔
انور نے ایک نظر چیک پر ڈالی اور پھر نوری کو واپس کرتے ہوئے بولا۔
مجھے وہ کہانی نہیں بیچنی۔ شکریہ۔
وہ بغیر کسی کے دیکھے باہر نکل گیا۔
ایڈیٹر اس کی عقل کو روتا ہوا اس کے پیچھے چلا گیا۔

اور نوری دیکھتی رہ گئی۔

عجیب۔ پاگل آدمی تھا ــــــ

پروڈیوسر ہنس کر بولا ــــــ

آپ اس وقت جائیے میں پھر کبھی آپ سے بات کرلوں گی۔

نوری اُٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی۔

انور کا وجود اس کے لئے ایک بولتا آئینہ ہے۔ اور یہ آئینہ اس کے فکر کے ساگر میں رہ رہ کر کنکر یا پھینک رہا تھا ——— وہ سب کچھ جانتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ سطح پر دائروں کا جال بن رہا ہے۔ اور یہ جال اس سے صاف کہہ رہا تھا۔

رابعہ ———

تمہارے احساس کی جبیں پر جس چاند کا جھمکا جھوم رہا ہے۔ وہ اپنے اندر آتشیں طوفان سمیٹے ہوئے ہے ——— مگر زبان خاموش ہے۔

اس نے تکیے سے سر اٹھایا اور بولی۔

میں بھی جانتی ہوں انور ———

اس چپ چپ سی دیواریں بہت سے کربناک سائے لپک رہے ہیں۔ ایک ناقابلِ فہم کیفیت میں وہ اٹھی۔ سگریٹ سلگایا اور ریڈیو آن کر دیا۔ ریڈیو پر کوئی گیت بج رہا تھا۔

پتھر کے صنم تجھے ہم نے محبت کا خدا جانا

یہ بول پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اس کے کان میں اتر رہے تھے۔
ایک عورت کی زندگی تو اسی وقت مسکراتی ہے جب اس کا محبوب ساتھی
اس کے دل کے قریب ہو اور ہر لمحہ دھڑکنوں کو سنتا رہے۔
لیکن اس کا ساتھی کہاں تھا ——— وہ تو بس تنہا تنہا تھی
اندر سینے میں لاوا کھول رہا تھا۔ اب تو وہ ایسے موڑ پر آگئی تھی۔
جہاں اس کے تھکے تھکے سے پاؤں رک گئے تھے۔ اس کے سامنے
موڑوں کا جال بچھا تھا ———
اور راستے پر پیچ ہو رہے تھے۔
اس پیچیدگی اور کشمکش میں اپنے دھڑکتے ہوئے دل کی
آواز وہ سن رہی تھی۔

انور ——— انور ——— انور۔

کبھی کبھی زندگی سے کوئی جملہ اتنا میل کر لیتا ہے جس سے فرار
ناممکن ہے تب احساس کی کائنات تپ اٹھتی ہے۔
وہ سلگ رہی تھی ——— اس کا چہرا دھواں ہو رہا
تھا ——— پلکیں بھیگ رہی تھیں اور لب کانپ رہے تھے۔
ابھی ابھی اس نے جب اخبار کے دفتر فون کیا تھا تو اسے ایڈیٹر نے
بتایا تھا کہ انور استعفیٰ دے کر جانے کہاں چلا گیا ہے اخبار کے دفتر سے وہ انور
کے گھر کا پتہ لے کر اس کے گھر پہنچی تو پتہ چلا وہ مکان چھوڑ گیا ہے۔
اس نے دوسرا سگریٹ سلگایا۔
انور تم آخر میرے لئے کیوں سراب بنتے جا رہے ہو۔

کل وہ جس وقت اس کے سامنے بیٹھا تھا اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ اسے اب تک یاد تھے۔

کھویا کھویا سا آنکھوں کا بھیانک ویرانہ دل کی چوٹ کی غمازی میں ہونٹوں کا کپکپانا۔

نوری دیکھ رہی تھی۔

اسے پتہ ہوتا کہ وہ مل کر یوں کھو جائے گا تو کل اپنے گھر کے سارے دروازے بند کر لیتی —— اس نے تنہائیوں میں بہت کچھ سوچا تھا۔

وہ ہمیشہ فیصلے کرتی رہتی۔

اب اگر انور ملا —— تو اس کے پاؤں پر سر رکھ دوں گی اور کہوں گی۔ مجھے اس دنیا سے لے چلو —— میں تھک گئی ہوں۔

انور —— خدا کے بعد میں نے محبت کو اٹل حقیقت سمجھا ہے۔ مجھے یقین تھا کہ کسی دن تم کو پالوں گی۔

لیکن اب تو میرے عقیدے بھی گھلے جا رہے ہیں۔

اس کے دل کی فریادیں مچل رہی تھیں اپنے لئے ایک لے ڈھونڈ رہی تھیں۔

لیکن انور ملا اور کھو گیا۔

اب اس فریاد میں بھی کوئی لے نہ رہی تھی۔ ہونٹ بند تھے اور سینہ بوجھل، دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

آج صبح رضا بھی اپنے نئے گھر چلا گیا تھا۔ جاتے سمے اس میں ہمت نہ تھی کہ نوری کی طرف دیکھے۔ بس سر جھکائے اندر آیا اور بولا —— میں اپنے گھر جا رہا ہوں۔ مجھے دعا دیجئے۔

خدا حافظ ـــــــ اس کا دل تو پہلے سے بھرا ہوا تھا۔
اس کے جانے کے بعد وہ خوب روئی ـــــــ
انور گیا ـــــــ اس کی زندگی گئی۔
میں نے تو چاہا تھا انور۔
تم مجھے اپنی محبت اپنے پیار کے کہکشاں کے رنگ میں رنگ لو گے۔
میری سونی مانگ میں شفق کی لالی اور جگنو کی چمک بھر دو گے۔
مگر ایک نصیب جلی کو یہ سب کچھ کیسے مل سکتا ہے۔
مجھے تو زندگی کی بس چند گھڑیاں بھی دُکھ سمیٹتے ہی ملی ہیں۔
اسی لمحے نعیم آگیا ـــــــ
وہ بالکل سفید ہو گئی تھی اور سرد برف کی طرح بیٹھی تھی۔
کیا ہو گیا نوررانی ـــــــ
نعیم اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔
کچھ نہیں ـــــــ نوری رو دی۔
رو کیوں رہی ہو ـــــــ
نعیم نے پوچھا۔
نوری کے آنسو بہتے رہے۔
نعیم اٹھا اور تیزی سے اور تیزی سے اپنی دونوں باہیں پھیلا کر اسے سینے
سے لگا لیا اور بولا۔
یہ آنکھیں آنسو بہانے کے لئے نہیں ہیں۔
آنسو جن کا مقدر ہو تو ـــــــ
نوری الگ ہوتے ہوئے بولی۔

اس انحصار اپنی سوچ پر ہے ورنہ انسان کی زندگی ہر چیز سے مرتب ہے۔ وعدہ کرو کہ اب نہ رووُ گی۔

نعیم ——— تمہیں کچھ پتہ نہیں ——— مجھ پر کیا بیت گئی ہے۔

کچھ بتاؤ نا ———

نعیم مجھے وہ ملا جس کے انتظار میں میں نے اپنی سانسیں بچھا رکھی ہیں۔ مگر وہ پھر کھو گیا۔

نوری بولی۔

تو جانے دو ——— ایسے ناقدرے کا تمہیں انتظار نہیں کرنا چاہیے۔ بارہا ویسے تم عورتیں بھی بڑی عجیب ہوتی ہو۔ جو تمہارے پیچھے پیچھے مرے اس سے بھاگتی ہو اور جو تمہاری قدر نہ کرے اس کے پیچھے تم جان تباہ کرنے پر تل جاتی ہو۔

نعیم نے ماحول کو خوشگوار بنانا چاہا۔

نوری خاموش بیٹھی تھی کبھی کبھی آنکھوں میں امڈنے والے آنسوؤں کو انگلی کے پوروں میں جذب کرنے لگتی۔

مان لیا کہ گلیسرین سے زیادہ ان آنسوؤں میں خوبصورتی ہے اب بس بھی کرو۔

نعیم ہنس کر بولا ———

تم کیسے آئے ——— نوری بولی ———

تمہیں کیا خبر۔ گھر بیٹھے بیٹھے خیال آیا۔ تمہیں میری ضرورت ہے۔ بس چلا آیا۔ حالانکہ میری بیوی میرے ساتھ فلم جانے کے لئے تیار تھی۔

نعیم نے کہا۔

نعیم ـــــ خدا کے لئے اپنی بیوی کا دل نہ توڑا کرو۔
نوری تڑپ کر بولی ـــــ
اس کا عمر بھر کا ساتھ ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔
نسیم لاپرواہی سے بولا۔
نعیم وہ بڑی پیاری عورت ہے۔ تمہیں بڑی چاہتی ہے۔ تمہارا بچہ کتنا پیارا ہے تم سے لپٹ لپٹ جاتا ہے۔ جب وہ تمہاری گود میں بیٹھ کر فخر سے دیکھتا ہے تو تم نہیں جانتے کتنا پیار آتا ہے مجھے اس پر۔
یار بور نہ کرو ـــــ نسیم بولا ـــــ
نعیم تم ایکٹر ہو ـــــ بہت مقبول ـــــ بہت خوبصورت ـــــ
اور تم پر مرنے والی بہت سی لڑکیاں ہیں۔ مگر وہ عورت جو تمہاری بیوی ہے صرف تمہاری ہے۔ تمہاری پوجا کرتی ہے۔ اس کا دل کبھی نہ توڑا کرو ـــــ یہ سب تو کھوکھلا صبت لڑکیاں ہیں۔ انہیں یا تو کوئی مطلب ہوتا ہے یا بیکار وقت کی مصروفیت۔
اچھا بھئی اب لیکچر نہ دو ـــــ ٹھیک ہے سب کچھ۔ بیوی کو کیا چاہیے۔ سب کچھ اسے مل رہا ہے۔ عیش کر رہی ہے۔ ہیرے پہنتی ہے۔ اور سارا روپیہ سنبھالتی ہے۔ ہم تو بس اس کے مزدور ہیں۔
نعیم ہنس کر بولا۔
نوری بھی مسکرا دی۔
مسکراہٹ تو آ گئی اب ہنس بھی دو۔
اور آؤ چلو آج راجہ صاحب کے ہاں بہت بڑی گیم ہے۔
نعیم بولا ـــــ

نوری بھی اس وقت اپنے آپ کو کہیں کھو دینا چاہتی تھی۔ فوراً اُٹھ گئی۔ اور چند منٹ میں ہی تیار ہو کر آ گئی۔

بہت سے روپے جیب میں ڈال کر نعیم کے ساتھ جب وہ راجہ صاحب کی کوٹھی پہنچی تو وہاں واقعی بہت بڑی بڑی رقمیں لے کر نامور فنکار اور پروڈیوسر پارٹ ٹائم بزنس میں مصروف تھے۔

لو جی بڑا امیر پینٹر آ گیا ـــــ زرینہ نے قہقہہ لگایا ـــــ

جلدی آؤ ہمارے تو سارے نوٹ کھر گئے ـــــ رضی بولا۔

فکر نہ کرو ـــــ نعیم بادشاہ آ گیا ہے۔ ابھی تم سب کی چھٹی ہو جائے گی۔

نعیم روپے نکال کر جواریوں کے دائرے میں بیٹھ گیا ـــــ

نوری بھی بیٹھ چکی تھی۔

کارڈ تقسیم ہوئے۔ نوری کے پاس اچھے پتے تھے۔ اس نے ایک ہی ہاتھ میں ہزاروں روپے جیت لئے ـــــ لیکن اس کے بعد اس کی سوچ پھر انور پر الجھ گئی ـــــ وہ ہارتی گئی ـــــ ہارتی گئی ـــــ بیس ہزار ہار چکی تو وہاں بیٹھے لوگوں کو اس سے ہمدردی ہو گئی۔ وہ کھیلے چلی جا رہی تھی۔ مگر پھر نعیم اٹھا اور اسے گھر لے آیا۔ مگر اسے اس ہار کا کوئی فکر نہ تھا۔

شہر سے باہر ایک بہت ہی پر فضا مقام پر اس کی شوٹنگ تھی۔ کسی گیت کے بول پکچرائز ہو رہے تھے۔ اس پر صبح سے صرف تین شاٹ ہو سکے تھے۔ لنچ کے لئے بریک ہوئی تو وہ سبزے پر لگی چھوٹی سی چھتری کے نیچے آ گئی ——

پکنک پر آئے ہوئے لوگ شوٹنگ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ ایک دو بچوں نے آ کر اس سے آٹو گراف بھی لئے۔

اگلے لمحے ایک سمارٹ آدمی اپنے دو بچوں کے ساتھ اس کے قریب آ گیا ——

میرے بچے آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔

وہ آدمی بولا۔

آئیے آئیے —— نوری نے بچوں کو اپنے پاس بلوا لیا۔

بھئی آ ؤ نا —— وہ آدمی اپنی بیوی کو بلا رہا تھا جو چھتری کی اوٹ

میں اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔
آدمی اپنی بیوی کو پکڑ کر نوری کے پاس لے آیا اور بولا ____ یہ میری بیوی ہیں۔
نوری نے دیکھا۔ تو آنکھوں میں چمک آگئی اور بولی۔ ارے عشرت کیسی ہو ____
اچھی ہوں ____ یہ میرے شوہر ہیں سلیم اور یہ دونوں میرے بچے ہیں۔
عشرت نگاہیں چرائے بولی۔
اچھا شادی کب کی تم نے۔
نوری نے ہنس کر پوچھا۔
بہت عرصہ ہوا ____
عشرت ڈری ڈری سی بولی۔
تو عرصے میں ہوا چکا۔
نوری کو عشرت کی گھبراہٹ میں لطف آ رہا تھا۔
ہاں ہاں بالکل۔
عشرت نے آنکھوں ہی آنکھوں میں نوری سے التجا کی۔ نوری سمجھ گئی تھی۔ لیکن یہ سوچ کر مسکرا رہی تھی۔
شریف بن کر انسان کتنا بزدل ہو جاتا ہے۔
تم انہیں کیسے جانتی ہو ____
سلیم نے عشرت سے پوچھا۔
بہت پرانا ساتھ ہے ان کا اور میرا ____

نوری ہنس کر بولی۔

ہاں ــــــ بالکل ــــــ تم بھی تو بہت بدل گئی ہو

بہت بڑی نامور ایکٹریس بن گئی ہو۔

عشرت دھڑکتے دل کے ساتھ خوف سے سفید پڑ جانے والے

چہرے پر زبردستی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولی۔

تمہاری ہی دین ہے ــــــ میں بھلا اس قابل کہاں تھی تم نے

ہی داؤ سکھائے تھے۔

سلیم حیرت سے دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

مذاق کی عادت نہ گئی تمہاری۔

عشرت بات بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔

تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا تم انہیں کیسے جانتی ہو۔

سلیم کا چہرہ سرخ ہو گیا

یہ تو میری استاد ہیں جی اور میں ان کی شاگرد۔

کیا مطلب۔

سلیم کی برداشت جواب دیتی جا رہی تھی۔

آپ کیوں پریشان ہو گئے۔

عشرت بوکھلا گئی کہنے لگی۔ نوری میرے ساتھ نیر دہلی کے اسکول میں پڑھتی

تھی۔ یہ وہاں بھی بڑی شرارتی قسم کی لڑکی تھی۔ بہت ہنس مکھ ہے اور دیکھ لیجئے

اتنے سالوں کے بعد ملی ہے پر شوخی نہ گئی اس کی طبیعت سے۔

نوری عشرت کی باتیں سن کر زور زور سے ہنس رہی تھی۔ اور عشرت اوٹ

پٹانگ باتیں کئے شوہر کے سامنے ہنس بھی رہی تھی۔ ڈر بھی رہی تھی۔

پردہ رہ گیا کہ نوری کو شارٹ دینے کے لئے ڈائریکٹر نے بلا لیا۔ ورنہ اس نے تو عشرت کا خون نچوڑ لیا تھا جاتے ہوئے کہنے لگی۔

عشرت انشاء اللہ تم سے ضرور ملوں گی اور سلیم صاحب کو بتاؤں گی کہ ہماری استادی شاگردی کیسی تھی۔ بڑا مزہ آئے گا۔

ہاں ہاں ضرور۔

عشرت بظاہر خوش دلی سے بولی۔

نوری نے مسکرا کر بچوں کی طرف دیکھا اور شارٹ دینے کے لئے میک اپ مین سے آئینہ لے لیا۔

عشرت اور اس کا شوہر واپس ہو گئے اور نوری نے آئینے کو ہلا کر خدا حافظ کہا۔

اور پھر ——————

اپنا چہرہ دیکھنے لگی ——————

جس پر اب بھی معصومیت تھی اور ابھی عشرت کا چہرہ وہ دیکھ رہی تھی۔ جس پر ایک نیا چہرہ سجا ہوا تھا۔

رضا حسن نے نازی سے شادی کر لی تھی
مگر نوری کو شادی ہی نہیں بلایا ——— اسے بہت دُکھ ہوا۔ کیونکہ رضا حسن سے اس کو ایسا پیار تھا۔ جیسے کسی مصوّر کو اپنی تصویروں سے ہوتا ہے۔ یا کسی ادیب کو اپنی کتاب سے ہوتا ہے۔
مگر جو کچھ بھی تھا ——— رضا حسن اسے بھول گیا تھا۔ پہلے تو کبھی کبھار وہ اس سے ملنے آجایا کرتا تھا لیکن اب تو مہینے بیت گئے تھے وہ کبھی اس طرف نہ آیا تھا۔ البتّہ اس سے متعلّق وہ خبریں بہت سنتی رہتی کہ اس کا معاملہ نازی سے چل رہا ہے۔ ثمو سے مل رہا ہے یا کسی اور سے ———
اسے دُکھ بھی ہوتا کہ رضا حسن اپنے لئے ایک منزل کیوں نہیں تلاش کرتا اور اب جب اس نے سُنا کہ اس کی نازی سے شادی ہو گئی ہے تو وہ خوش بھی بہت ہوئی ———
چلو شادی ہو گئی اچھا ہے ——— ہو سکتا ہے نازی اچھی بیوی بن جائے۔

اور رضا حسن ایک خوبصورت اور خوشیوں کے گہوارے میں زندگی گذارے۔

رضا حسن کے انٹرویو اخباروں میں چھپتے تو وہ ہمیشہ اس کا ذکر گول کر جاتا ـــــــ شاید اسے اب اس کا نام لینا بھی گوارا نہ تھا۔

مگر اسے کوئی گلہ نہ تھا۔

وہ تو بس اکیلی تنہا جیئے جا رہی تھی ـــــــ

اب وہ فلموں میں کام کرتے کرتے بھی تھک گئی تھی۔ اس کی دلچسپی کم ہوئی تو اسے فلمیں کم ملنے لگیں۔ اور اب تو اس پر بالکل ہی زوال آتا جا رہا تھا۔ دو یا تین فلمیں تھیں اس کے پاس ـــــــ

وقت کی کمی تھی تو سوچنے کا موقع کم تھا۔ اور اب وقت تھا۔ اس لئے پھر وہی سوچوں کے بھنور تھے ـــــــ

خالی وقت میں وہ ہمیشہ کوشش کرتی کہ کچھ نہ کچھ کرتی رہے ـــــــ لہٰذا ایسی سوسائٹی میں گھل مل گئی۔ جہاں شراب عام تھی۔

وہ اب شراب پی پیتی ـــــــ سگریٹ تو اس کی انگلیاں کالی کر چکے تھے ـــــــ

یوں ہی دن بیت رہے تھے۔

خزاں آ رہی تھی ـــــــ چہرے پر آنکھوں کے نیچے حلقے نمایاں نظر آنے لگے تھے ـــــــ

وقت گھٹ گھٹ کر گذر رہا تھا۔

ایک روز جگا پھر اسے مل گیا کچھ بدلا ہوا تھا۔ کہنے لگا تین مہینے جیل رہ کر آیا ہوں رانی ـــــــ کھانے کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ وہ تو دوست یار کبھی کبھار

چھپا کر کچھ دے جایا کرتے تھے۔

سمگلنگ چھوڑ دو پھر ——

نوری نے کہا ——

ہم لوگوں کے لئے لے دے کر دو چار دھندے تو رہ گئے ہیں۔ اب تم خود ہی محسوس کرو۔ طوائف کے ہاں لڑکی ہوتی ہے تو طوائف بن جاتی ہے۔ اگر طوائف کے ہاں لڑکا ہو تو وہ کیا بنے۔ اس کا مستقبل کیا ہے۔

جگا ہنس کر بولا ——

نوری بھی سوچ میں پڑ گئی ——

طوائف کا بیٹا —— یا تو سپلائر بنتا ہے یا پھر بہت نیک ہوا تو سپاہی بن گیا، کھلا کھاتا پیتا یا پھر چرس افیم کا دھندہ۔ سمگلنگ۔ ہیرا پھیری کیونکہ گھٹی میں پڑ جاتی ہیں یہ چیزیں۔ ماحول اسی طرح کا ہوتا ہے جہاں ان کی پرورش ہوتی ہے یا پھر ان کے لئے ایک دھندہ اور ہے۔ فلمیں بنانا۔ اب یہاں پر کئی نامی گرامی طوائف زادے پھرتے ہیں۔ کاروں میں گھومتے ہیں۔ فلمیں بناتے ہیں۔ عیاشیاں کرتے ہیں۔ اسی لئے رائل نیری یہ فلم لائن بدنام ہے۔ یہاں پر لوگوں کے تین گروپ ہیں ایک تو وہ جو واقعی فن کے ذریعہ اپنی اور ملک کی خدمت کرنا چاہتے ہیں یہ لوگ بڑے اچھے ہیں۔ ان کے ذہن اچھے ہیں یہ واقعی انڈسٹری کے خیر خواہ ہیں ——

دوسرا گروپ ایسے لوگوں کا ہے جو اس دھندے سے اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔ فحش فلمیں بناتے ہیں اور اپنی تجوریاں بھرتے ہیں یہ لوگ ابن الوقت ہیں۔ جیسا رخ ہوگا یہ ویسے ہی بن جائیں گے۔ اور تیسرا گروپ ہم جیسے لوگوں کا ہے جنہیں کالا روپیہ بھی کہیں خرچ کرنا ہے۔

انتھک کوششوں سے فلم بنی۔ نوری نے سارا سرمایہ اس فلم پر لگا دیا۔ لیکن جب فلم ریلیز ہوئی تو بری طرح فلاپ ہو گئی ——

فلاپ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یہ نوری کی اپنی کہانی تھی۔ جس میں ادھورا پن تھا اور لوگوں کو یہ باتیں پسند نہ آئیں۔

اس فلم نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ بس لے دے کر ایک گھر رہ گیا تھا۔ وہ بھی پورا ہو گیا۔ اور اب پھر وہ اپنی شاندار کوٹھی بیچ کر ایک چھوٹے سے کرائے کے مکان میں آ گئی۔ اس چھوٹے سے گھر میں آ کر اسے کوئی غم نہیں ہوا بلکہ وہ تو یہی چاہتی تھی۔

کہ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ پلٹتی ہوئی وہاں پہنچ جائے جہاں رابعہ تھی ——

جہاں رابعہ تھی اور اس کی وہی کوٹھڑی اور پرانے ٹین کے صندوق میں چھپائی ہوئی سرخ جوڑیاں ——

وہ اس گھر کیا آئی۔ لوگوں کی اصلیت ایک دم اس پر کھل گئی ——

رضا حسن کو پتہ تھا کہ وہ ایک چھوٹے سے گھر میں اب رہتی ہے۔ اکیلی ہے۔

نعیم کو سب کچھ پتہ تھا۔

اقبال صاحب جانتے تھے۔

ساری فلم انڈسٹری جانتی تھی کہ نوری اب پائی پائی کی محتاج ہے۔ مگر کبھی کسی نے جھوٹے منہ آ کر نہ پوچھا —— وہ سارے چمکتے ہوئے لوگ ایک دم ہی اسے بھول گئے۔ سارے ناطے توڑ بیٹھے تھے۔

پہلے ایک نوکر گیا۔ پھر دوسرا —— اب اس کے پاس کوئی نہیں تھا۔

وہ اکیلی تھی۔

ایک دو فلمسازوں نے اسے کچھ پیسے دینے تھے۔ وہ دو تین بار ان کے آفس گئی۔ مگر وہ لوگ بس ٹال ہی گئے۔

ایک آدھ فلم میں اسے کسی چھوٹے سے رول کی آفر بھی ہوئی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔

اور اب ـــــ جب وہ آئینہ دیکھتی تو آئینہ اسے کہتا۔ تیری جلد میں دراڑیں پڑ گئی ہیں۔ تیری آنکھوں کے گرد، حادثات کی کالی رات کا پہرہ بیٹھ گیا ہے۔

ـــــ تو ختم ہو رہی ہے ـــــ

کئی روز سے وہ بیمار تھی۔ ______

انگلی میں پڑی ہیرے کی انگوٹھی بیچ کر اس نے اپنا علاج شروع کیا۔ ڈاکٹر نے اسے بتایا کہ شراب نوشی کی وجہ سے اس کا ایک پھیپھڑا بیکار ہو گیا ہے اور اسے فوراً ہسپتال داخل ہو جانا چاہئیے ______

اس نے ہسپتال جانے کا فیصلہ کر لیا تھا ______ مگر اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ گھر سے باہر جا کر کوئی سواری لیتی۔ بمشکل اس نے اپنے آپ میں ہمت پیدا کی اور اٹھی ______ اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا۔ اور جسم بخار سے تپ رہا تھا۔

وہ اٹھی ______

لیکن اس نے دیکھا۔ دروازے میں جگا کھڑا ہے ______ اسے دیکھ کر آگے آیا ______

ارے رانی کیا حالت بنا لی تم نے ______ بڑی مشکل سے تمہارا پتہ

ڈھونڈا ہے ــــــــ

آؤ جگے ــــــــ

اتنے عرصہ بعد اسے دیکھ کر نوری کو خوشی ہوئی۔

جگا کرسی پر بیٹھ گیا ـــــ کہنے لگا ـــــ

کیا بہت بیمار ہو ـــــ

ہاں جگے ـــــ ڈاکٹر کہتا ہے مجھے فوراً ہسپتال داخل ہو جانا چاہیے۔
ابھی میں ہسپتال ہی جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر ہمت بالکل نہیں۔ چلا نہیں
جاتا۔ سوچ رہی تھی کہیں راستے میں ہی ختم نہ ہو جاؤں۔

سوکھی پھیکی زبردستی کی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی ـــــ

رانی۔ خدا کی قسم تیری یہ حالت دیکھ کر مجھے بڑا دکھ ہوا ـــــ دیکھ لیا
ان دنیا والوں کو ـــــ یہ تو بس چڑھتے سورج کے پجاری ہیں۔ تیرے عروج
کے زمانے میں کس طرح تیرے پیچھے پیچھے پھرا کرتے تھے۔ اور اب کوئی پلٹ کر
خبر بھی نہیں لیتا ـــــ میں اگر اندر نہ ہوتا تو ایا ان سے تیرا یہ حال
کبھی نہ ہوتا ـــــ

جگا بے چین سا بولا ـــــ

بس جگے ـــــ کسی سے کیا گلہ کرنا۔

نوری نے کہا ـــــ

میں نو سال بھر کے لئے قید ہو گیا تھا۔ لوٹا ہوں تو تم نظر نہ آئیں۔
پھر پتہ چلا تم نے ایک فلم بنائی تھی جو تم کو لے ڈوبی ـــــ اور تم
پتہ نہیں کہاں ہو ـــــ بڑی مشکل سے تمہارا پتہ چلا ہے۔

جگا بولا ـــــ

تمہاری مہربانی جگے ــــــ تم نے مجھے یاد رکھا ــــــ اور اگلے لمحے وہ بے ہوش ہو گئی۔

جگا اسے ہسپتال لے آیا ــــــ کمرہ علیحدہ لے کر اسے داخل کرا دیا۔ ڈاکٹروں کی فیس وغیرہ خود ادا کی ــــــ اور دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

اور اب وہ ہسپتال میں تھی ــــــ ڈاکٹروں نے اسے کسی حد تک اچھا کر لیا تھا۔ کچھ دن بعد اس کا آپریشن ہونے والا تھا ــــــ اسے پتہ تھا کہ یہ آپریشن بہت خطرناک ہے۔ مگر اسے ابھی زندگی کی آس تھی۔ اسی دوران آئینہ اخبار کا ایڈیٹر آ گیا اور اس نے اپنی سوانح حیات کا اعلان کر دیا ــــــ اور آج وہ سوانح حیات مکمل ہو گئی تھی۔

وہ اپنے بیڈ پر لیٹی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ سینے میں بہت تکلیف تھی۔

ڈاکٹر آلہ سے دل کی حرکت سن رہا تھا اور پھر بولا۔ چپ چاپ پڑے رہنے دو۔ نیند کی دوا دے کر مکمل خاموشی چاہیئے ـــــ کسی کو بات کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ڈاکٹر باہر چلا گیا۔

تو نرس انجکشن کا سامان لے آئی۔ ٹیکہ لگا کر اس نے کھڑکیوں کے پردے کھینچ دیئے۔

نوری کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے۔

بمشکل اس نے آنکھیں کھولیں۔ نرس کو دیکھ کر اس نے بہت کمزور آواز میں پوچھا ـــــ

سسٹر۔ کیا میں مر رہی ہوں ـــــ

نہیں نہیں ـــ آپ ابھی اچھی ہو جائیں گی ۔ آپ چپ چاپ لیٹ کر سونے کی کوشش کریں ۔ ڈاکٹر آپ کو بات کرنے سے منع کر گئے ہیں ۔

نرس اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بولی ۔

وہ چپ چاپ لیٹ گئی ـــ

شام کو جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا زلفی اس کے سامنے بیٹھا ہے ـــ

وہ اسے دیکھ کر مسکرائی ۔

کیسی طبیعت ہے میڈم ۔

زلفی بولا ـــ

اچھی ہوں ـــ

کتاب مکمل ہو گئی ـــ

جی ہاں ـــ رات ہی مکمل ہوئی ہے ۔

تو پھر آج مجھے مل جائے گی ۔

زلفی بولا ـــ

دو روز بعد ملے گی ـــ

لوری نقاہت بھری آواز میں بولی ۔

کیوں میڈم ـــ

دو روز بعد میرا آپریشن ہے ۔ آپریشن تھیٹر جاتے ہوئے وہ کتاب میں آپ کے حوالے کروں گی ۔

آپ پریشان ہو جائیے گا ـــ اور ہاں ۔ رائیلٹی کے کاغذات تیار کئے ہیں آپ نے ۔

نوری نے پوچھا ـــــــــ

جی ہاں ـــــــ یہ میرے پاس ہیں۔ لیکن یہ رائیلٹی کس کو دی جائے گی۔ نام ابھی تک آپ نے نہیں بتایا۔

زلفی کاغذات لے کر قریب آگیا۔

اس کتاب کی رائیلٹی انور کو ادا کی جائے۔ آپ لکھ دیں میں دستخط کر دوں گی ـــــــ

نوری بولی ـــــــ

وہ صاحب کہاں ملیں گے ـــــــ

زلفی نے پوچھا ـــــــ

وہ کبھی نہ کبھی ضرور آپ کو نظر آجائیں گے ـــــ

یہ وہ انور ہیں جو کہانیاں لکھتے ہیں جو فلمی میگزین میں بھی ملازم تھے۔

نوری نے کہا ـــــــ

جی بہتر ـــــــ

زلفی نے کاغذات نوری کو دیئے اور نوری نے دستخط کر کے وہ کاپیاں خود رکھ لیں اور کہنے لگی۔ -

اس خط کی کاپیاں میں آج ہی رائٹر گیلڈ کو بھیج دوں گی ـــــــ

بہت بہتر ـــــــ

زلفی بولا ـــــــ

وہ جانے کے لئے مڑا تھا کہ پھر رک گیا ـــــ

کہنے لگا ـــــــ

میڈم میں چاہتا ہوں کہ آپ کی اور اپنی ضمانت کرا لوں ۔

وہ کیوں ــــــــ

نوری نے پوچھا ــــــــ

آپ یہاں بیمار ہیں اور بہت سے لوگ آپ کے اور میرے دشمن ہوگئے ہیں ۔ وہ چاہتے ہیں یہ کتاب نہ چھپے ۔ آپ کو میں بتا نہیں سکا ۔ مجھے تو لوگوں نے یہ کتاب حاصل کرنے کے لئے بڑی لالچ بھی دی ہے اور بہت سے لوگوں کے دھمکی آمیز خطوط بھی ملے ہیں کہ اگر میں نے یہ کتاب شائع کر دی تو مجھے مار ڈالا جائے گا ۔

اوہ نہہ ــــــــ

نوری ہنس دی اور بولی ــــــــ

آپ ڈر گئے پھر ــــــــ

ہنہیں میڈم ایسی کوئی بات نہیں ۔ میں نے تو ایگریمینٹ میں لکھ دیا ہے کہ یہ کتاب ضرور چھپے گی ۔

آپ ڈریئے نہیں ــــــــ

نوری بولی ــــــــ

مگر میں آپ کی حفاظت کے لئے آج ایس ۔ پی سے مل کر آیا ہوں ۔ آج ہی وہ پولیس کا پہرہ لگوا دے گا ۔ میں نے یہاں بہت مشکوک لوگوں کو گھومتے دیکھا ہے ۔

نوری خلاؤں میں گھور رہی تھی ــــــــ

زلفی نے کچھ ضروری باتیں کیں اور اگلے دن آنے کا وعدہ کرکے چلا گیا ۔

اس کے جانے کے بعد باہر کچھ شور ہوا ______
نوری نے نرس سے پوچھا تو پتہ چلا۔ کمرے کے باہر کوئی آدمی زبردستی اندر گھسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہسپتال والوں نے اسے پکڑ لیا تھا۔
تب نوری نے سرہانے پڑی کتاب اٹھائی۔
اور حفاظت سے اپنے کمبل میں چھپالی۔

میڈم ـــــــ

نرس نے اسے آہستہ سے پکارا ـــــ

آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا ـــــ

آں ـــــ ہاں ـــــ وہ تیز تیز سانس لیتی بولی۔

ڈاکٹر کو بلاؤں ـــــ

نہیں ـــــ

میڈم آپ اتنے دن سے کیا لکھ رہی تھیں۔

نرس نے پوچھا ـــــ

اپنی آپ بیتی لکھ رہی تھی۔

مرتے جیسی کا آپ نے اعلان کیا تھا۔

ہاں ـــــ

مکمل ہو گئی ______
ہاں سسٹر ______ مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو ______
آپ کو پتہ نہیں میڈم۔ آپ کے کمرے کے باہر پولیس کا پہرہ لگا ہے۔ کسی آدمی کو آپ سے ملنے کی اجازت نہیں۔ سارے ہسپتال میں آپ کی کتاب کا چرچا ہے۔
اچھا ______
نوری آہستہ سے بولی ______
ہاں میڈم ______ ایک اور خاص بات جو میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں۔ وہ بات سن کر آپ بڑی حیران ہوں گی۔
نرس رازدارانہ لہجے میں بولی۔
کیا ______
نوری نے اس کی طرف دیکھا
کل جب میں ڈیوٹی ختم کر کے اپنے کوارٹر میں گئی تو میں نے دیکھا کہ ایک فیشن ایبل سی خاتون میرا انتظار کر رہی ہے ______ وہ عورت بہت پریشان لگ رہی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی بولی سنا ہے کہ میڈم نوری کے کمرے میں آپ کی ڈیوٹی ہے ______ میں نے کہا۔ جی ہاں میری ڈیوٹی ہے ______ کہنے لگی کہ اگر میڈم نوری کی وہ کتاب جو کہ لکھی جا رہی ہے۔ حاصل کر کے اسے دے دوں تو اس کے لئے وہ مجھے دس ہزار روپے دے گی۔ میں اس کی بات سن کر حیران بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا کہ یہ لوگ ہمیں روپوں کی لالچ میں بس خریدنا ہی جانتے ہیں کیا ہمارا ضمیر کوئی حقیقت

نہیں رکھتا۔ بس جی میں نے اسے ٹکا سا جواب دے دیا اور کہہ دیا
کہ وہ فوراً میرے گھر سے چلی جائے۔

نرس کا سانولا چہرہ دہک اٹھا۔

میں اس عورت کو جانتی ہوں۔

میڈم آہستہ سے بولی۔

کہہ رہی تھی کہ اگر میڈم کی کتاب شائع ہوگئی تو میری
زندگی تباہ ہو جائے گی۔ میرے بچوں کا مستقبل خاک
میں مل جائے گا۔

نوری ہنسی ـــــــ

صبح آپ کا آپریشن ہے۔ ویسے آپ گھبرائیے نہیں۔
اچھی ہو جائیں گی۔

میرا ایک کام کرو گی سسٹر۔

نوری نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

کہئیے ـــــــ

اگر میں مر گئی نا ـــــــ تو میری قبر پر میرے نام کی
تختی ضرور لکھوا دینا۔ اور اس پر میرا نام پتہ کیا لکھنا
ـــــــ میرا نام ـــــــ

رابعہ انور ـــــــ ہیں سسٹر۔

نوری کی آنکھوں میں التجا تھی۔

اس کی آواز میں بہکا پن تھا۔

اور لبوں پہ بے قرار جذبے مچل رہے تھے۔

انور کون ہے میڈم ——

نرس نے دُکھ بھری آواز میں پوچھا ——

انور —— وہ میرا کچھ نہیں لگتا سسٹر ——

وہ میرا کچھ نہیں ہے۔ میرا اس سے کوئی رشتہ نہیں۔ کہتے ہوئے اس نے نڈھال سی ہو کر تکیے پر سر رکھ دیا۔

ڈاکٹر آ گیا۔ سسٹر اس کے سامنے چارٹ لے کر کھڑی ہو گئی۔

وہ کچھ لکھتا رہا اور دوسرے روز آپریشن کی تیاری کا کہہ کر چلا گیا۔

کوئی جگا نامی آدمی ملنا چاہتا ہے۔

سپاہی اندر آ کر بولا ——

بلاؤ اُسے ——

نوری نے کہا ——

اور اگلے لمحے جگا اندر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں پھول تھے۔ اور لفافے میں بہت سارے پھل اور ڈبے وغیرہ تھے۔

آؤ جگے ——

نوری لیٹے ہی لیٹے بولی۔

کیا حال ہے اب تمہارا رانی۔

جگا پیکٹ میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

صبح آپریشن ہو گا ——

نوری بولی ـــــــ

اچھی ہو جائے گی تو ـــــ فکر نہ کر ـــــ مگر دیکھو ذرا میرے ساتھ ایک عجیب واقعہ ہوا ـــــ

جگا ہنس کر بولا ـــــــ

کیا ـــــ

نوری نے پوچھا ـــــ

ابھی جب میں ہسپتال آرہا تھا تو میں نے دیکھا خوشیا اور چھمونا دونوں ایک گاڑی سے اترے ہیں ـــــ

وہ کون ہیں ـــــــ ؟

نوری نے پوچھا۔

بڑے نامی گرامی بدمعاش ہیں۔ آدمی کا تو ایک منٹ میں گلا کاٹ دیتے ہیں بڑے خطرناک مانے جاتے ہیں۔ فیس بھی بہت ہے ان کی۔ بدمعاشوں میں ہائی کلاس ہیں دونوں ـــــ استاد ہیں اپنے کام کے۔ مجھ سے کہنے لگے یہاں ایک عورت میڈم نوری زیر علاج ہے۔ دو سو چار نمبر کمرہ ہے۔ وہ عورت ایک کتاب لکھ چکی ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لئے دو دن سے کوشش کر رہے ہیں۔ مگر پولیس کا پہرہ سخت ہے۔ کامیابی نہیں ہو سکی۔ مجھ سے کہنے لگے میں وہ کتاب حاصل کر کے انہیں دیدوں تو وہ مجھے دس ہزار روپیہ دیں گے۔

جگا ہنس کر بولا ـــــــ

ہوں ـــــ وہ کتاب اب بازار میں بکتی نظر

آئے گی۔

نوری نے کہا ——

نگر رانی ایسی کونسی کتاب ہے جو اتنی اہم ہے۔ میری مانو تو کتاب میرے حوالے کر دو۔ میں دس ہزار روپیہ لا کر تمہیں دے دیتا ہوں۔ تمہارا کام بن جائے گا۔

جگا سادگی سے بولا ——

تم نہیں جانتے جگے —— وہ کتاب واقعی بہت اہم کتاب ہے —— بس ایک آئینہ ہے جس میں لوگ اپنا چہرہ دیکھنے سے کتراتے ہیں۔

جگے کی سمجھ میں کچھ نہ آیا —— اس نے حیرت سے نوری کی طرف دیکھا اور بولا۔

تم جانو —— مگر مجھے تمہاری جان کا خطرہ نظر آرہا ہے۔ میں اب یہیں رہوں گا۔ باہر پہرہ دونگا —— کسی کی مجال ہے جو میری موجودگی میں تمہاری طرف آسکے۔

نوری نے جگے کی طرف دیکھا —— جو ظاہراً برا آدمی تھا۔ لیکن اس میں انسانیت بول رہی تھی۔

تم آرام کرو رانی —— میں باہر بیٹھا ہوں۔

جگا باہر نکل گیا ——

نوری کی پلکیں بھیگ گئیں۔ آنکھوں میں آنسو لرزنے لگے۔

شام ڈھل رہی تھی۔ آج کا دن بیت چکا تھا ——

آج کا دن ـــــ انتظار کا آخری دن ـــــ

کل پتہ نہیں کیا ہو جائے۔

انو ـــــ تمہیں اب بھی مجھ پر ترس نہیں آیا ـــــ

جس طرح بجھنے والا چراغ آخری لمحے تیزی سے بھڑکتا ہے۔

اسی طرح نوری کے آنسو تیزی سے بہہ رہے تھے۔

انتظار اور غم و اندوہ سے نڈھال اپنے پلنگ پر پڑی تکئے کو سینے سے لگائے سسکیاں بھر بھر کر رو رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔

پھر ایک دم اس کی تکلیف بڑھ گئی ـــــ

ڈاکٹر نے آکر نیند کا انجکشن دیا۔ تو وہ بے خبر سو گئی ـــــ

یا ہر رات بیت رہی تھی۔

ہولے ہولے ـــــ سیاہ اور اندھیری رات۔

ہسپتال کے کاریڈور میں بہت سے لوگ جمع تھے نیخر زماں باہر کار میں بیٹھا تھا۔ اس کے کارندے اندر پھیلے ہوئے تھے۔
رضا حسن بھی ایک طرف اپنے حواریوں کے ساتھ کھڑا تھا۔
عشرت پھولدار چادر سے چہرہ چھپائے ڈسپنسری کی دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔
چنگا نوری کے کمرے کے دروازے کے سامنے اسٹول پر بیٹھا ہر آنے جانے والے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ پولیس کے سپاہی بھی آج معمول سے زیادہ تھے۔
کچھ فلم والے بھی موجود تھے۔
پریس والے بھی پہنچ چکے تھے۔
زلفی نوری کے کمرے میں جا چکا تھا
عین اسی وقت معمولی کپڑوں میں پریشان حال انور نوری کے کمرے

تک آیا ـــــ

میں اندر جانا چاہتا ہوں ـــــ

انور نے جگے سے کہا ـــــ

اندر تو کوئی نہیں جا سکتا ـــــ

جگا بولا ـــــ

کیا وہ ہوش میں ہیں ـــــ

انور دُکھ سے بولا ـــــ

آپ یہ بتائیے کہ آپ کون ہیں اور اس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔
جگا اسے گھورتے ہوئے بولا۔

میرا نام انور ہے ـــــ

آپ میڈم سے نہیں مل سکتے۔

جگا سختی سے بولا ـــــ

اسی دوران نرس اندر سے نکلی ـــــ

سسٹر ـــــ

انور اس کے قریب جا کر بولا ـــــ

نوری کو جا کر اتنا بتا دیجئے کہ انور آیا ہے۔

ساری مسٹر، انھیں ابھی آپریشن تھیٹر لے جایا جا رہا ہے ـــــ

نرس کہہ کر اندر چلی گئی ـــــ

انور نے سپاہی سے کہا۔ مگر اس نے بھی مجبوری ظاہر کر دی۔
انور کی بے چینی دیکھ کر جگا مسکرایا اور بولا۔
تم بھی وہ کتاب حاصل کرنے آئے ہو۔

انور نے کوئی جواب نہ دیا ــــ البتہ دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا۔
اس کا چہرہ پیلا ہو رہا تھا۔ ہونٹوں پر پیپڑیاں جمی ہوئی تھیں
اور آنکھیں سرخ تھیں ــــ
اس کی نظریں بے چینی سے نوری کے دروازے کی طرف تھیں۔
اسی لمحے زلفی باہر نکلا ــــ
انور صاحب کہاں ہیں۔
زلفی نرس سے پوچھنے لگا۔
انور ایک دم آگے بڑھ گیا۔
آپ انور ہیں ــــ
زلفی اسے دیکھ کر بولا ــــ
جی ــــ
آئیے اندر ــــ میڈم نے کتاب کی رائیلٹی آپ کے نام کر دی ہے۔
آپ مجھ سے بیس ہزار روپے کا چیک وصول کر لیں۔
زلفی بولا ــــ
انور نے چونک کر زلفی کی طرف دیکھا اور بولا ــــ
آپ اندر تو لے چلیے مجھے ــــ
زلفی اسے لے کر اندر آیا ــــ
سامنے ہی پلنگ پر وہ نڈھال پڑی تھی ــــ
سانس تیز چل رہا تھا۔ چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔
انور اسے دیکھ کر تڑپ گیا۔
راایعہ ــــ

انور کے لب کپکپائے ______
نوری نے دیکھا ______ کچھ بولنا چاہا لیکن بول نہ سکی۔
آپریشن کے لئے اسٹریچر آ گیا ______
اور سسٹر نے بیرے کی مدد سے اسے اسٹریچر پہ لٹانا چاہا۔
لیکن انور نے دونوں کو پرے کر دیا۔
اور اسے اپنے ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ جب وہ اسٹریچر پہ ڈال رہا تھا۔
تو اسے لگا کہ نوری کی گرفت اس پر اتنی مضبوط ہے۔ جیسے وہ اس سے
الگ ہونا نہیں چاہتی۔ بڑے آرام سے انور نے اسے الگ کیا اور بولا۔
رابعہ میں تمہیں لے جانے کے لئے آیا ہوں۔
خدا کے لئے میرا خیال کر لینا۔ اللہ سے اور زندگی مانگ لینا۔
رابعہ میں تمہارے مرنے کی خبر نہیں سن سکتا۔ میں تمہیں زندہ سلامت
دیکھنا چاہتا ہوں ______
انور کے دل کی آواز تڑپ بن کر اس کے لبوں پر آ گئی ______
اسٹریچر کو نرس نے پکڑا انور ساتھ تھا۔
نوری نے چادر کے نیچے سے کتاب نکالی اور زلفی کی طرف بڑھا دی۔
نوری کو آپریشن تھیٹر چھوڑ کر جب انور پلٹا تو زلفی اس کے انتظار میں تھا۔
کہنے لگا۔ آئیے چیک وصول کر لیجئے ______
مسٹر ______
انور نے ذرا غصے سے نوری کی طرف دیکھا ______
کہنے لگا ______
میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔ آپ ابھی خاموش رہئے پلیز۔

زلفی منہ دیکھتا رہ گیا ــــــ

مجھے وہ کتاب تو دکھائیے ــــــ

انور بولا ــــــ

زلفی نے وہ مسوّدہ انور کے حوالے کر دیا۔

انور نے لاپرواہی سے مسوّدہ کو پکڑ لیا جیسے وہ کوئی چیز نہیں ــــــ

دو گھنٹے تک آپریشن ہوتا رہا ــــــ

سب لوگ بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔

دو گھنٹے بعد نرسیں اور ڈاکٹر باہر نکلے۔ ان کے ساتھ ہی اسٹریچر پر نوری بے ہوش پڑی تھی۔

جب وہ سب کمرے میں آئے تو کمرے میں صرف انور، زلفی اور جگا تھے۔

سب نوری کے ہوش میں آنے کا انتظار کر رہے تھے۔

ڈاکٹر نبض تھامے کھڑا تھا ــــــ

نوری کو ہوش آیا ــــــ اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

انور آگے بڑھا ــــــ

انور نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے نوری کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

نوری مر گئی ــــــ

نیلم مر گئی ــــــ رابعہ مر گئی ــــــ

انور نے دکھ سے اس کی طرف دیکھا اور چہرے پر چادر ڈال دی ــــــ

سب کے سر جھکے ہوئے تھے ــــــ

انور نے بغل میں دبایا ہوا مسوّدہ ہاتھوں میں رکھا ــــــ

کچھ لمحے وہ مسوّدے کو دیکھتا رہا ـــــــ
اور پھر اس نے سامنے آتش دان میں جلتی ہوئی لکڑیوں کو دیکھا۔
آگ تیز ہو گئی ـــــــ
انور آگے بڑھا اور مسوّدہ آگ میں پھینک دیا ـــــــ
یہ کیا کیا آپ نے۔ زلفی آگ کی طرف لپکا۔
انور نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔
زلفی چیختا رہا ـــــــ
اور مسوّدے کے کاغذ جل جل کر راکھ ہوئے جا رہے تھے ـــــــ
باہر جب زلفی کی آواز پہنچی۔
تو وہ ساری بھیڑ ـــــــ وہ سارے لوگ مطمئن ہو کر اپنے اپنے کاموں کو چلے گئے ـــــــ
اب کاریڈور بالکل سنسان تھا۔
اور انور
رابعہ کی لاش کو لئے آہستہ آہستہ جا رہا تھا ـــــــ !!

"ختم شد"